مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۳۳/۴۰

نہیں ہیں محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ

ولیکن

آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور آپؐ وہ ذاتِ گرامی ہیں جسکے ساتھ نبیوں کی آمد

ختم کر دی گئی ہے

حقیقتِ مسئلہ مسیح سلام علیہ

ادارہ بلاغ القرآن ۱۱۰- این - سمن آباد لاہور

مسئلہ ولادت ۔ مسیحؑ

مسئلہ نزول مسیحؑ سے پہلے حقیقت ولادت مسیحؑ کو سمجھنا ضروری ہے کہ کیا آپ بلا باپ پیدا ہوئے تھے یا اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ کے مطابق باپ ہی کے ذریعہ آپ کی ولادت ہوئی تھی؟ علماء روایات کا یہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰ مسیحؑ بلا باپ پیدا ہوئے تھے۔ اس ضمن میں بھی محض متشابہ آیتوں کا سہارا لیا گیا ہے اور محکم آیات کریمات کو پس پشت پھینک کر بلا باپ کی خلاف قانون پیدائش کا عقیدہ' متشابہ آیات کی اتباع کر کے قائم کرلیا گیا ہے۔ دیکھئے ارشاد باری ہے۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّہَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ وَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَ مِمَّا لَا یَعۡلَمُوۡنَ۔ (36/36)
پاک ہے (ہر قسم کے عیوب و نقائص سے) وہ ذات جس نے جوڑا جوڑا پیدا کیا نباتات کو' جسے زمین اگاتی ہے اور خود ان انسانوں کو بھی جوڑا جوڑا پیدا کیا بلکہ ہر اس چیز کو جوڑا جوڑا پیدا کیا جسے یہ لوگ ابھی جانتے بھی نہیں ----- نیز فرمایا:

یایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی۔ (49/13) اے نوع انسانی! بیشک ہم نے تمہیں (یعنی تمہارے ایک ایک فرد کو) مذکر اور مونث سے پیدا کیا ہے۔ (دیکھئے! یہاں **الا المسیح** نہیں آیا یعنی با پدر پیدائش سے عیسیٰ مسیحؑ کو مستثنیٰ قرار نہیں دیا گیا۔)

الذی احسن کل شئی خلقه و بد اخلق الانسان من طین (32/7) **ثم جعل نسله من سللة من ماء مھین** (32/8) اللہ وہ عظیم الشان ذات ہے' جس نے ہر چیز کو احسن بنایا' ہر چیز کو پیدا کیا اور انسان کی ابتدا پانی ملی مٹی سے کی۔ پھر اس کی افزائش نسل کو حقیر پانی (نطفہ) کے جوہر سے مقرر کیا ----- (یہاں بھی **الا المسیح** نہیں آیا کہ انہیں نطفہ کی پیدائش سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہو۔) آیت بالا (32/7) میں یہ بتانے کے بعد کہ نوع انسانی کی ابتدائی پیدائش کیچڑ سے کی گئی تھی۔ (32/8) میں پوری نوع انسانی کیلئے افزائش نسل کا مستقل قانون بتا دیا ہے۔ باپ کے نطفہ سے۔ جو مذکر مونث یعنی جوڑے کے اختلاط ہی سے رحم مادر میں پہنچتا ہے۔ عیسیٰ مسیحؑ کی پیدائش کے اس مستقل قانون اور سنت جاریہ سے ہرگز ہرگز مستثنیٰ قرار نہیں دیا گیا۔ فتدبروا۔

پھر اس مونث مذکر یعنی جوڑے کے دائمی قانون کو آیت ذیل میں بدرجہ حق الیقین محکم کر دیا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ کا بیٹا ٹھہراتے ہیں۔ ان کے جواب میں ارشاد ہوا ہے۔ **انی یکون له ولد و لم تکن له صاحبة و خلق کل شئی و ھو بکل شئی علیم۔** (6/101) اس اللہ کے ہاں بیٹا کس طرح ہوسکتا ہے جبکہ اس کی بیوی ہی نہیں۔ حالانکہ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ہر چیز کا پورا پورا علم رکھنے والا ہے۔ (وہ تو اپنے ہاں بھی جوڑے کے بغیر بیٹا پیدا نہیں کرتا۔)

اب غور فرمائیں! اوپر بیان کی گئی جملہ آیات کریمات (6/101 + 32/8-7 + 49/13 + 36/36) سب محکمات ہیں۔ جن میں پوری مخلوق کیلئے عموماً" اور نوع انسانی کیلئے خصوصاً" مستقل قانون بیان کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کو بھی جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے۔ (36/36) انسان کی اولین پیدائش کیچڑ سے فرمائی (32/7) اور اس کے بعد اس کی افزائش نسل کا قانون نطفہ سے ٹھہرایا ہے۔ (32/8) مٹی سے پیدا ہونے کے بعد والوں' سب کو مرد عورت

کے ملاپ سے پیدا کیا ہے۔ (49/13) ان محکم آیتوں میں عیسیٰ مسیح کو کہیں اپنے قانون سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا بلکہ جوڑے کے قانون کی محکمیت پر یہ کہہ کر ایسا تالا لگا دیا ہے جو کبھی کھل نہیں سکتا کہ "اللہ کے ہاں بیٹا کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ اس کی بیوی ہی کوئی نہیں" یعنی ایک غیر متبدّل اعلان کر دیا گیا ہے کہ بیٹا جوڑے کے بغیر ہرگز ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں بیٹا ہونا اس لئے ناممکن ہے کہ وہ اکیلا ہے' ایک ہے' یکّا و تنہا ہے۔ اس کا جوڑا کوئی نہیں۔ پھر اس نے اپنے قانون کی محکمیّت اور اس کے غیر متبدل ہونے کا تکراری اعلان ذیل کی محکم آیات کریمات میں بالفاظ ذیل کر دیا ہے۔

لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ (10/64) اللہ کے کلمات (قوانین) کیلئے بدلنا ہے ہی نہیں۔

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (6/115) اللہ کے کلمات (قوانین) کو کوئی بدلنے والا ہے ہی نہیں۔

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ (50/29) میرا قول (قانون) خود میری طرف سے بھی بدلا نہیں جاتا۔

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا " (35/43) پس اے مخاطب! تو میری سنت (قوانین جاریہ) میں کبھی بھی تبدیلی نہیں پائے گا۔

یہاں تک (36/36 + 49/13 + 32/8-7 + 6/101 + 10/64 + 6/115 + 50/29 + 35/43) کی متعدد محکم آیتوں کے دلائل قاطعہ کے ساتھ وضاحتاً" ثابت کیا جاچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا غیر متبدل قانون یہ ہے کہ بیٹا جوڑے کے ملاپ ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ نیز چونکہ عیسیٰ مسیح کی استثنیٰ کہیں بھی مذکور نہیں۔ اس لئے آیات محکمات کی رو سے آپؑ کا بلا پدر پیدا ہونا مطلقاً" خارج از بحث ہے۔ باقی رہیں سورہ آل عمران اور سورہ مریم کی وہ آیتیں جن سے علماء روایات عیسیٰ مسیح کو بے پدر ثابت کرتے ہیں۔ وہ متشابہات ہیں۔ محکمات و متشابہات کے قرآنی فیصلے کے مطابق ان آیتوں کا مفہوم محکمات کے ماتحت رکھنا لازم ہے۔ ان کے خلاف مفہوم اخذ کرنا اپنے آپ کو **الذین فی قلوبھم زیغ** کے زمرہ میں شامل کرنا ہے اور ہر مومن باللہ کو اس سے پرہیز لازم ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ بے باپ پیدا کرنے پر قادر نہیں؟: عیسیٰ مسیح کی بابدر پیدائش پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ بلا باپ پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ الفاظ قادر اور قدیر کا مفہوم تو ذرا آگے چل کر پیش کی اجائے گا۔ یہاں مذکورہ بالا اعتراض کا جواب ان لفظوں میں دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا باپ پیدا کر سکتا ہے' مگر کرتا نہیں' کیوں؟ اس لئے کہ اس نے خود فیصلہ کر دیا ہے کہ جوڑے کے بغیر بلا پدر یا بلا مادر بچہ پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ حتیٰ کہ اس کے اپنے ہاں بھی اس لئے بیٹا نہیں ہے کہ اس کا جوڑا نہیں۔ (6/101) اس کی مثال بڑی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ جناب خاتم النبیین سلام علیہ کے بعد ایک نہیں' بلکہ ہزاروں نبی بھیج سکتا ہے مگر بھیجے گا ہرگز نہیں' کیوں؟ اس لئے کہ اس نے خود فیصلہ کر دیا ہے کہ مکی مدنی سرکار کے بعد نبیوں کی آمد کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ (33/40) پس جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اختیارات کا تعلق ہے وہ کروڑہا نبی مبعوث کر سکتا ہے۔ قریہ قریہ اور بستی بستی پے درپے نبی بھیج سکتا ہے۔ لیکن اپنے فیصلے **ما کان محمد ا" ابا احد من رجا لکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبین** (33/40) کے مطابق اپنے فیصلے کے خلاف ہرگز ہرگز کوئی نبی نہیں بھیجے گا۔

اسی طرح جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اختیارات کا تعلق ہے۔ وہ بلا باپ بچے پیدا کرسکتا ہے مگر خود اپنے فیصلے **جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ** (32/8) اور **اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ** (6/101) کے مطابق بلا باپ کوئی بچہ ہرگز ہرگز پیدا نہیں کرتا اور اس کی اس مستقل و غیر متبدل سنت جاریہ پر صد فیصد مشاہدات گواہ ہیں۔

قادر اور قدیر کا قرآنی مفہوم: اب آیئے الفاظ قادر اور قدیر کے صحیح قرآنی مفہوم کی طرف کہا جاتا ہے کہ عیسیٰ مسیحؑ کو بلا باپ کی پیدائش نہ ماننا' اللہ تعالیٰ کی صفات' قادر اور قدیر کا کھلا انکار ہے۔ واضح رہے کہ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی طاقت' قوت اور اس کے اختیارات کا تعلق ہے' اس کی وضاحت تو سطور بالا میں کر دی گئی ہے لیکن افسوس ہے کہ علماء روایات اچھے خاصے عالم ہونے کے باوجود الفاظ قادر اور قدیر کے غلط معنے اخذ کرتے ہوئے یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ **ان اللہ علی کل شئی قدیر**۔ اور اس کا معنی یہ لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے یعنی خود اپنے معینہ قوانین اور اپنے غیر متبدل فیصلوں کے خلاف کرنے پر قادر ہے۔ مگر غور طلب یہ چیز ہے کہ آیت مجیدہ میں عربی کا لفظ آیا ہے۔ قدیر جس کا معنی کیا جاتا ہے قادر' جو دو وجوں سے غلط ہے۔ ایک تو یہ کہ لفظ قدیر صفت مشبہ ہے' جسے اسم فاعل قادر میں تبدیل کر دینا غلط ہے اور دوسرے یہ کہ عربی لفظ کا معنی عربی ہی میں لکھ کر لفظ قدیر اور قادر دونوں کے اصل مفہوم کو چھپا دیا جاتا ہے تاکہ وہ نکھر کر نمایاں نہ ہونے پائے۔

واضح رہے کہ لفظ قدیر کا سہ حرفی مادہ ہے ق۔ د۔ ر = قدر۔ جس کا بنیادی معنی ہے اندازہ' پیمانہ' قانون اور اس کے اسم فاعل ہے قادر۔ جس کا معنی ہے اندازے پیمانے اور قوانین متعین کرنے والا اور اسی مادہ سے لفظ قدیر صفت مشبہ ہے جس کا معنی ہے بہت بہت صحیح اور ٹھیک ٹھیک اندازے' پیمانے اور قوانین متعین کرنے والا اور اس طرح **ان اللہ علی کل شئی قدیر** کا معنی ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے صحیح صحیح اندازے' پیمانے اور قانون متعین کرنے والا ہے۔

ایک قرآنی مثال: ان معنوں کی تائید میں ایک قرآنی مثال ملاحظہ فرمائیں۔ قرآن کہتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کو جنگ بدر میں فتح نصیب ہوئی تھی اور جنگ احد میں شکست۔ اس شکست کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (3/165) اور کیا جب تمہیں شکست کی مصیبت پہنچی' حالانکہ بے شک تم نے اس سے دگنی شکست دی تھی۔ تم نے کہا کہ یہ شکست کیوں ہوئی؟ اے رسول! کہہ دیجئے گا کہ وہ تمہارے اپنے افراد کی (فرض ناشناسی کی) بدولت آئی تب۔ بے شک اللہ تعالیٰ (فتح و شکست سمیت) ہر چیز کے صحیح صحیح اندازے' پیمانے اور قانون متعین کرنے والا ہے۔ (جب جنگ بدر میں تمہارے اعمال اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ فتح قانون کے مطابق تھے تو تمہیں فتح نصیب ہوئی تھی۔ مگر یہاں جب تمہارے اپنے اعمال اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ شکست والے قانون کے مطابق ہوئے ہیں تو شکست ہوگئی ہے۔ اس نے تو ہر چیز کے قانون مقرر کر رکھے ہیں۔)

دیکھئے! اس آیت مجیدہ میں لفظ قدیر کے صحیح قرآنی معنوں کو نکھار کر رکھ دیا گیا ہے۔ "صحیح صحیح اندازے پیمانے اور

قوانین مقرر کرنے والا" -------- نیز وہ اپنے معینہ قوانین کے خلاف ہرگز ہرگز نہیں کرتا۔ حتیٰ کے جنگ احد میں جب اس کے معینہ قانون کے مطابق قانونی فیصلہ شکست کا ہوا تو صحابہ کرامؓ کو بھی اپنے قانون سے مستثنیٰ قرار نہ دیا۔

تو اب جبکہ **ان اللہ علیٰ کل شئیٍ قدیر** کے صحیح قرآنی معنے لکھ کر عیاں ہو چکے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ ہر چیز کے صحیح صحیح قوانین مقرر کرنے والا ہے۔ اور اپنے معینہ قوانین کے خلاف ہرگز نہیں کرتا تو صاف ظاہر ہوا کہ بچوں کی پیدائش کیلئے جوڑے کا جو قانون اس نے خود متعین فرما رکھا ہے۔ اس سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں۔ حتیٰ کہ جوڑے کے بغیر اس کے اپنے ہاں بھی بیٹا نہیں ہو سکتا۔ (6/101)

جناب مسیحؑ کی باپد ر پیدائش کا ٹھوس قرآنی ثبوت: سورہ انعام میں اٹھارہ انبیاء کے نام باندازِ ذیل لئے گئے ہیں۔

وَ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ----- (6/83) **وَ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَ نُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ** (6/84) **وَ زَكَرِيَّا وَ يَحْيٰى وَ عِيْسٰى وَ اِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ** (6/85) **وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ الْيَسَعَ وَ يُوْنُسَ وَ لُوْطًا وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ** (6/86) **وَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ وَ اجْتَبَيْنٰهُمْ وَ هَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔** (6/87) **ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔** (6/88) **اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ** ----- (6/89)

(مفہوم): اور یہ ہماری قاطعہ دلیل تھی جو ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم کے مقابلے پر عطا فرمائی ----- اور ہم نے اسے اسحاقؑ اور یعقوبؑ عطا فرمائے۔ ہم نے سب کی رہنمائی کی اور اسی طرح ہم معاشرہ میں حسن پیدا کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں اور ہم نے زکریاؑ یحییٰؑ عیسیٰؑ اور الیاسؑ کی بھی راہنمائی فرمائی تھی۔ وہ سب اصلاح معاشرہ کے کام کرنے والے تھے اور ہم نے اسماعیلؑ یسعؑ یونسؑ اور لوطؑ کی بھی راہنمائی فرمائی اور ہم نے سب کو جہانوں پر فضیلت عطا کی اور ان کے باپوں میں سے اور ان کے اولاد اور بھائیوں میں سے بعض کو ہم نے پسند کیا اور صراط مستقیم کی ہدایت کی (نبوت کیلئے چن لیا) یہ اللہ کی ہدایت (نبوت) ہے۔ اپنے بندوں میں سے اللہ تعالیٰ جسے خود چاہتا ہے راہنمائی کرتا ہے (نبوت) عطا فرماتا ہے اور اگر وہ نبی بھی شرک کرتے تو ان کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے۔ (ہمارا قانون "مطلقاً" بے لچک اور بے لوث ہے) مذکورہ بالا وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب حکم اور نبوت عطا فرمائی تھی۔

دیکھئے! یہاں عیسیٰؑ سمیت اٹھارہ نبیوں کے نام بیان کر کے ان سب کیلئے **اٰبَآئِهِمْ** کی ضمیر لائی گئی ہے جس کا مرجع عیسیٰ مسیح سمیت اٹھارہ نبی ہیں۔ پس اس ضمیر **اٰبَآئِهِمْ** سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جس طرح ان میں سے باقی سترہ نبی بے باپ نہیں تھے' اسی طرح عیسیٰ بھی ہرگز ہرگز بلا باپ پیدا نہیں ہوئے تھے۔

اس آیت میں آمدہ ضمیر کی غلط تاویل: مسیح کو بلا باپ قرار دینے والے حضرت **اٰبَآئِهِمْ** کی ضمیر کو اس سے

ماقبل مذکور آیت نمبر(6/86) میں درج چار نبیوں اسماعیلؑ **یسعؑ** یونسؑ اور لوطؑ کی طرف پھیرتے ہیں' جو مطلقاً" غلط ہے۔ کیونکہ اگر **ابائهم** کی ضمیر کو صرف ان چار نبیوں کی طرف پھیرا جائے تو اسی آیت مجیدہ (6/86) کے اخیر پر جو **کلا فضلنا علی العٰلمین** آیا ہے' اس فضیلت میں سے باقی سب نبی خارج قرار پاتے ہیں۔ نیز اس سے آگے (6/88) میں جو شرک کی تنبیہہ مذکور ہے' وہ بھی صرف ان چار نبیوں ہی کیلئے قرار پاتی ہے' جو غلط ہے اور اس سے آگے (6/89) میں جو ارشاد ہوا ہے۔ **اولٰئک الذین اتینٰهم الکتٰب والحکم والنبوة** یہ بھی صرف اسماعیلؑ **یسعؑ** یونسؑ اور لوطؑ کیلئے ٹھہرتا ہے اور باقی چودہ نبی عطاءِ کتاب' حکم اور نبوت کے زمرہ سے خارج ہو جاتے ہیں۔ نیز اگر **ابائهم** کی ضمیر کو صرف چار نبیوں کی طرف پھیرا جائے تو پھر باقی چودہ نبی **هد ینٰهم الی صراط مستقیم**(87/6) سے بھی خارج ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ سوال یہ ہے کیا باقی چوودہ نبی صراط مستقیم پر نہیں تھے؟ **فتدبروا**۔ پس **ابائهم** کے مطابق جس طرح باقی سترہ نبی بے باپ نہیں تھے۔ اسی طرح عیسیٰ مسیحؑ بھی ہرگز بے باپ پیدا نہیں ہوئے تھے۔

جناب مسیحؑ کی باپدر پیدائش پر مزید قرآنی دلائل: آیات بالا 83 تا 6/89 میں مسیح علیہ السلام کا ابراہیم علیہ السلام کی ذریت سے ہونا وضاحتاً" ثابت ہے۔ یعنی صریحاً" مذکور ہے کہ آپ ان کی نسل اولاد اور ان کے تخم و نطفہ سے تھے۔ جیسے کہ (6/85-84) میں **و من ذریته داود و سلیمٰن و ایوب و یوسف و موسٰی و هرون .... وَ زَکَرِیَّا و یحیٰی و عیسٰی و الیاس** آیا ہے۔ جس سے وضاحتاً" ثابت ہے کہ جس طرح داودؑ' ایوبؑ' یوسفؑ' موسیٰؑ' ہارونؑ' زکریاؑ' یحییٰؑ' الیاسؑ اور ابراہیمؑ کی ذرّیت میں سے تھے۔ اسی طرح بغیر کسی استثنٰی کے (Without Any Exception) یکساں طور پر عیسیٰؑ بھی ذریت ابراہیم میں سے تھے۔ پس چونکہ ذریت ابراہیمؑ میں سے مذکورہ بالا کوئی نبی بھی بے باپ نہیں تھا سب کے سب باپدر تھے۔ تو ثابت ہوا کہ عیسیٰؑ بھی باباپ تھے بے باپ نہیں تھے۔ ورنہ باقی سب نبیوں کو بے باپ ماننا پڑے گا۔ العیاذ باللہ!

نسل ماں سے نہیں بلکہ باپ کے نطفہ سے چلتی ہے: واضح رہے کہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نسل باپ کی طرف سے چلتی ہے یعنی نسل و اولاد سلسلہ وار باپ کے نطفہ سے ہوتی ہے۔ ماں کے تخم سے نہیں ہوتی۔ ماں کی حیثیت صرف ایک کھیت کی ہے جس میں جب تک بیج' تخم نہ بویا جائے اس وقت تک فصل کا پیدا ہونا مطلقاً" ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب کی سب عورتوں کو بلا استثنٰی مریمؑ یکساں طور پر کھیت قرار دیا ہے۔ **نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ** (2/223) تمہاری بیویاں تمہارے کھیت ہیں یعنی تمہارے نطفہ کے بغیر ان کھیتوں سے ہرگز اولاد پیدا نہیں ہوسکتی۔ پس ان حقائق قرآنیہ کے پیش نظر مریمؑ صدیقہ کی حیثیت بھی محض ایک کھیت کی ہے اور مسیحؑ اپنے والد سے داؤد اور ان سے آگے سلسلہ وار ابراہیمؑ کی نسل و اولاد' تخم اور نطفہ میں سے تھے۔ آپ تنہا ماں سے ہرگز ہرگز پیدا نہیں ہوئے تھے۔

ایک اور اعتراض کا جواب: بعض اصحاب کا کہنا ہے' چونکہ سورۃ آل عمران اور سورہ مریم میں جناب مسیحؑ

کی بلا باپ پیدائش مذکور ہے۔ اس لئے آیات بالا (83 تا 6/89) میں اگرچہ جناب عیسیٰؑ مذکور و موجود ہیں۔ مگر ان آیات کی بدولت یہاں جناب عیسیٰؑ کو مستثنیٰ قرار دینا ضروری ہے۔ واضح رہے کہ یہ اعتراض قرآنی اسلوب بیان سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ قرآن کریم کا مستقل اسلوب بیان یہ ہے کہ جہاں کسی چیز کو مستثنیٰ کرنا مقصود ہو' وہاں ساتھ ہی اس کی استثنیٰ بیان کر دی جاتی ہے۔ جیسے کہ سورہ ممتحنہ میں جناب ابراہیمؑ کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔ غور فرمائیے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِىٓ إِبْرَٰهِيمَ .... **إِلَّا قَوْلَ إِبْرَٰهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ** (60/4) ایمان والو! بیشک تمہارے لئے ابراہیمؑ میں بہتر نمونہ ہے .... سوائے اس کے اس قول کے' جو اس نے اپنے ابا سے کہا کہ تیرے لئے حفاظت طلب کروں گا۔ نیز ارشاد ہوا ہے۔

فَسَجَدُوٓا۟ إِلَّآ إِبْلِيسَ (2/34 + 7/11 + 15/31 + 17/61) ابلیس کے سوا سب سجدہ ریز ہوگئے۔ **(ملائکہ نے کہا۔)**

لَا عِلْمَ لَنَآ إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَآ (2/32) ہمیں کوئی علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا ہے۔ پس اگر آیات مجیدہ (83 تا 6/89) میں مسیحؑ کو **ابائهم** کے زمرہ سے خارج کرنا مقصود ہوتا تو ساتھ ہی **الا المسيح** آجاتا۔ مگر چونکہ استثنیٰ مذکور نہیں۔ اس لئے مسیحؑ کو ہرگز مستثنیٰ نہیں کیا جاسکتا۔ اور وہ بھی سب نبیوں کی طرح **ابائهم** کے زمرہ میں شامل ہیں۔ پس جس طرح باقی نبیؑ باپ کے ذریعہ پیدا ہوئے تھے۔ جناب مسیحؑ بھی بے پدر کی پیدائش ہرگز نہیں تھے۔

سورہ آل عمران اور سورہ مریم کی آیتیں: اب آیئے سورہ آل عمران اور سورہ مریم کی ان آیتوں کی طرف جن سے عیسیٰ مسیحؑ کو بے باپ ثابت کیا جاتا ہے۔ ادارہ کے اَیتِ محکمات میں ثابت کیا جاچکا ہے کہ قرآن کریم میں آیات محکمات بھی ہیں اور متشابہات بھی۔ اصل کتاب محکمات ہیں اور متشابہات وہ ہیں جن سے محکمات کے خلاف بھی معنے برآمد ہوتے ہوں۔ متشابہات کا ایسا معنی اور تاویل محض ابتغاء فتنہ ہے۔ نیز آیات محکمات کے ساتھ ثابت کیا جاچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا غیر متبدل قانون یہ ہے کہ بچہ جوڑے ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ نہ اکیلی ماں سے نہ اکیلے باپ سے۔ حتیٰ کہ خود اللہ تعالیٰ جو صاحب کن فیکون بھی ہے' قانون باری تعالیٰ کے مطابق خود اس کے ہاں بھی بیٹا اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اس کی بیوی نہیں ہے۔ یعنی چونکہ وہ اکیلا ہے' اس کا جوڑا کوئی نہیں۔ (6/101)

پس اللہ تعالیٰ کے جوڑے والے غیر متبدل قانون کی حامل آیات محکمات (6/101 + 49/13 + 36/36) کے مطابق .... سورہ آل عمران اور سورہ مریم کی آیتیں متشابہات ہیں' محکمات نہیں۔ کیونکہ ان سے مذکورہ بالا محکم آیات کریمات کے خلاف مفہوم بھی برآمد ہوتا اور قرآن کریم میں تضاد پیدا کرتا ہے۔ پس قرآن کریم میں تضاد پیدا کرنے کی بجائے کیوں نہ یہ تسلیم کیا جائے کہ ان متشابہ آیات کریمات کا غلط مفہوم اخذ کرلیا گیا ہے۔ دیکھئے! سورہ آل عمران میں آیا ہے کہ جب مریمؑ کو بیٹے کی خوشخبری دی گئی تو اس نے کہا۔

قَالَتْ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِى وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِى بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذَٰلِكِ ٱللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ إِذَا قَضَىٰٓ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ (3/47) سورہ مریم میں **لَمْ يَمْسَسْنِى بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا** (19/20) آیا ہے .... ان آیتوں میں لَمْ یَمْسَسْنِی استفہام اقراری ہے۔ جس کا صاف اور کھلا مفہوم یہ ہے کہ جائز یا ناجائز اختلاط کے بغیر بیٹا ہو ہی نہیں سکتا .... اب اس آیت مجیدہ کا مفہوم آیات محکمات کی روشنی میں ملاحظہ

فرمائیں اور پھر ضمنی نوٹ نمبر1 تا نمبر3 کو گہری توجہ کے ساتھ پڑھیں۔

(مفہوم): مریمؑ نے کہا کہ میرے ہاں بیٹا کس طرح ہوگا' جبکہ نہ مجھے جائز مسّ بشر ہوئی ہے (اور نہ میں بدکار ہوں (19/20) کما ایسا ہی ہے (کہ جائز یا ناجائز مس ہی کے ساتھ بیٹا پیدا ہوتا ہے) اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے مطابق جسے چاہتا ہے[1] پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو اسے (اپنے قانون کی زبان میں) میں کہتا ہے[2] ہو جا۔ تو وہ ایسی قانونی منزلیں طے کرکے ہو جاتا ہے[3]

[1] **مایشاء** کا معنی ہے جو کچھ وہ اپنے قانون مشیت کے مطابق چاہتا ہے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی چاہت ہی صرف وہ ہے جو اس نے خود قانون مقرر کر رکھا ہے۔ وہ اپنے قول قانون کے خلاف کرتا ہی نہیں۔ (50/29)

[2] یہاں **یقول** کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے قانون کی زبان سے کہتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی مادی جسم ہے نہ مادی زبان ہے۔ اس لئے اس کا کہنا وہی تو ہے جو اس نے اپنا غیر متبدل قانون متعین کر رکھا ہے۔

[3] **کن فیکون** کا معنی یہ ہے کہ جس وقت کچھ بھی موجود نہ تھا' اس وقت مادہ کو عالم وجود میں لانے کیلئے بزبان امر ارشاد فرمایا کن' تو مادہ' اللہ تعالیٰ کے ارادے سے موجود ہو گیا یعنی مادہ کی تخلیق' تخلیق بالارادہ ہے لیکن جب مادہ میں سے کوئی چیز پیدا کرنی مقصود ہوئی تو اس چیز کی پیدائش کیلئے جو مادی قانون خود اللہ تعالیٰ نے متعین کر رکھا ہے۔ اس قانون کی زبان سے ارشاد ہوتا ہے کن۔ اور وہ چیز اللہ تعالیٰ کے معینہ قوانین کی منزلیں طے کرکے پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ سلسلہ موت و حیات جو باری تعالیٰ کے معینہ قوانین کے مطابق ہر آن مصروف عمل ہے' موت و حیات' دونوں کے متعلق خبر دی گئی ہے۔

ھُوَالَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ فَاِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ (40/68) وہ اللہ ہی زندگی دیتا اور موت دیتا ہے۔ پس جب وہ (زندگی یا موت میں سے) کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو (اپنے معینہ قانون کی زبان میں) کہتا ہے ہو جا۔ تو (موت یا زندگی اللہ تعالیٰ کے معینہ قوانین کی منزلیں طے کرکے) ہو جاتی ہے ----- اب مشاہدہ گواہ ہے کہ بچہ پیدا ہوتا ہے جوڑے کے اختلاط' قرار حمل اور مدت حمل کی منزلیں طے کرنے کے بعد ----- اسی طرح موت بھی قوانین باری تعالیٰ کے مطابق ہی آتی ہے۔ پس یہاں سورہ آل عمران اور سورہ مریم میں **کن فیکون** کا معنی اللہ تعالیٰ کے معینہ قانون پیدائش کے مطابق ہے کہ مریم چونکہ ایک پاکباز خاتون تھیں۔ اس لئے **قال کذلک** کے الفاظ میں کہا گیا ہے کہ بیٹا جائز مس ہی کے ساتھ ہوگا۔ کیونکہ قانون باری تعالیٰ کے مطابق بچے کی پیدائش جوڑے کے اختلاط' قرار حمل اور مدت حمل میں رحم مادر کے اندر کی متعدد منزلیں طے کرنے کے بعد ہی ہوتی ہے۔

مسیح مثیل نوع آدم ہیں: اس کے علاوہ سورہ آل عمران کی آیت مجیدہ **اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ** (3/59) سے بھی ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ جس طرح نوع انسانی کے پہلے آدمؑ بلا ماں باپ پیدا کئے گئے تھے۔ اسی طرح مسیح بلا باپ پیدا ہوئے تھے۔ واضح رہے کہ قرآن مجید میں ہرگز مذکور نہیں ہے کہ آدمؑ کو بت بنا کر پیدا کیا گیا تھا بلکہ (11/61 + 20/55 ، 53/32 ، 71/18) کے تکرار کثیر کے ساتھ نوع آدم کو زمین میں سے پیدا کرنے کی خبر دی گئی ہے۔ (3/59) میں **کمثل ادم** سے مراد نوع آدم ہے۔ آدمؑ مراد نہیں اور بتایا گیا ہے کہ لوگوں

نے مسیح کو الہ بنا رکھا ہے۔ وہ الہ نہیں بلکہ ان کا حال اللہ کے نزدیک نوع آدمؑ ہے۔ جب نوع آدمؑ کا کوئی فرو الہ نہیں تو مسیح جو نوع آدمؑ ہی سے ہیں وہ کس طرح الہ ہوسکتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران میں مسیح کے ایک طویل تذکرہ (3/45 تا 3/62) کے اخیر پر ٹھوس فیصلہ دے دیا ہے کہ یہ سارا تذکرہ لوگوں کے مسیح کی طرف منسوب کردہ نظریہ الوہیت کی تردید کیلئے ہے' بے باپ پیدائش کی خبر نہیں دی گئی۔ چنانچہ مسیح سے متعلقہ (3/45 تا 3/62) اٹھارہ آیتوں پر مشتمل طویل تذکرہ کے نتیجہ کا اعلان (3/62) کے اخیر میں بالفاظ ذیل کیا گیا ہے۔

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (3/62) بیشک یہی سچا واقعہ ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الہ ہرگز نہیں ہے اور بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے ------ دیکھئے! **وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ** میں آمدہ واؤ حالیہ برائے اظہار و اعلان حقیقت آئی ہے جس سے دوپہر کے سورج کی طرح عیاں ہے کہ یہاں مسیح کی عدم الوہیت کا اعلان کیا گیا ہے' جوڑے کے بغیر پیدائش کا مکمل بطلان تو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے متعلقہ مخصوص اعلان میں کر رکھا ہے۔ **أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُن لَّهُ صَاحِبَةٌ** (6/108) اللہ کے ہاں بیٹا کس طرح ہوسکتا ہے جبکہ اس کی بیوی ہی نہیں ہے۔ واضح رہے کہ جب جوڑے کے بغیر بیٹا پیدا نہ کرنے کا قانون اس قدر اٹل ہے کہ خود خالق کون و مکان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تو مریمؑ اس اٹل اور محکم قانون سے کس طرح مستثنیٰ ہوسکتی تھیں۔ ان کے ہاں بھی جوڑے کے محکم قانون کے مطابق ہی بیٹا ہوا تھا۔

روایتی مسلک میں مسیح کو روایتی آدم کا **مثیل** کہا جاتا ہے جو خود ان کے اپنے مفہوم کے مطابق بھی غلط ہے۔ کیونکہ قرآن کہتا ہے کہ نوع آدم کو سلالہ طین سے بنایا گیا تھا۔ اس لئے مسیح کی پیدائش کیلئے مریمؑ کو مٹی کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس میں مٹی کے اجزاء اور سلالہ طین کہاں سے داخل ہوئے تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ عورت کے کھیت میں بچہ **سلالہ ماء مهين** نطفہ ہی سے پیدا ہوتا ہے۔

پیدائش یحییٰؑ اور پیدائش عیسیٰؑ باہم متماثل ہیں: سورہ آل عمران اور سورہ مریم دونوں میں جہاں ولادت مسیح کا ذکر ہے' دونوں جگہ پر اس سے پہلے ولادت یحییٰؑ کا تذکرہ موجود ہے اور دونوں پیدائشوں کے متعلق بالکل ایک سے الفاظ آئے ہیں جب مریمؑ کو بیٹے کی خوشخبری ملی تو انہوں نے کہا۔ **قَالَتْ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ**

اسی طرح جب زکریاؑ کو بیٹے کی خوشخبری دی گئی تو انہوں نے کہا۔ **قَالَ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ**

اس طرح اگر بقول روایات مریمؑ کی حیرانگی خلاف قانون جاریہ بیٹا ملنے کی خبر پر تھی اور انہیں قانون جاریہ کے خلاف بیٹا دیا گیا تھا تو جب زکریاؑ کے الفاظ بالکل مریمؑ والے ہیں' تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا زکریاؑ کو بھی قانون جاریہ کے خلاف بیٹا ملا تھا؟ کتدبروا۔

حیرانگی کے صد فیصد ایک جیسے الفاظ کے بعد زکریاؑ کے متعلق آیا ہے کہ آپ نے کہا میں بوڑھا ہوچکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے اور مریمؑ اظہار حیرانگی کے بعد کہتی ہیں۔ نہ مجھے جائز مس ہوئی ہے اور نہ میں بدکار ہوں۔ اس پر زکریاؑ کو جواب ملا۔ **قَالَ كَذَٰلِكَ** ---- تو نے جو کچھ کہا ہے' حقیقت یہی ہے

مریمؑ کو جواب ملا۔ **قال کذالک**..... تو نے جو کچھ کہا ہے' حقیقت یہی ہے۔
اس کے بعد انتہائی غور طلب وہ الفاظ ہیں جو دونوں کو تسلی کیلئے کہے گئے اور جو صد فیصد ایک ہیں۔
زکریاؑ کو کہا گیا۔ **قَالَ رَبُّکَ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ**۔ (19/9) تیرا رب کہتا ہے کہ یہ میرے لئے آسان ہے۔
مریمؑ کو کہا گیا ہے۔ **قَالَ رَبُّکَ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ**۔ (19/21) تیرا رب کہتا ہے کہ یہ میرے لئے آسان ہے۔
اب مذکورہ بالا آیات کریمات کے تقابل پر غور فرمائیں کہ!

ہر سہ مقام پر زکریاؑ اور مریمؑ دونوں کیلئے ایک ہی الفاظ آئے ہیں۔ اس لئے بصورت نصف النہار ثابت ہوا کہ جس طرح زکریاؑ کو یحییٰؑ میاں بیوی کے اختلاط کے ذریعہ اپنے اٹل اور محکم قانون جاریہ ہی کے مطابق عطا فرمائے تھے' اسی طرح مریمؑ کو مسیحؑ بھی اسی اٹل اور محکم قانون جاریہ کے مطابق ہی ملے تھے۔

تکلم فی المهد کا درآمدی نظریہ: مسیحؑ کے بے باپ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ جب آپ بے باپ پیدا ہوئے تو یہودیوں نے مریمؑ صدیقہ پر بدکاری کا الزام لگایا۔ اس پر مریمؑ نے جھولے میں پڑے ہوئے بچے کی طرف اشارہ کیا کہ اس کا جواب یہ دے گا۔ چنانچہ نوزائیدہ مسیحؑ نے جھولے میں جواب دیا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی ہے مجھے نبی بنایا ہے۔ میں جہاں کہیں بھی ہوں مجھے بابرکت ٹھہرایا ہے اور جب تک میں زندہ رہوں اس وقت تک کیلئے صلوۃ اور زکوۃ ادا کرتے رہنے اور اپنی والدہ سے نیک سلوک کا حکم دیا ہے۔ (19/20)

اس کا جواب سرفہرست تو ہے۔ (35/43) کا اللہ کا فیصلہ' **لن تجد لسنت الله تبدیلا**۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی سنت ہرگز ہرگز نہیں بدلتی۔ اس طرح نوزائیدہ بچہ بول ہی نہیں سکتا۔ اگر بفرض محال والدہ صاحبہ کو بدکاری کے الزام سے بچانے کیلئے مسیحؑ نے معجزانہ طور پر جھولے میں کلام کیا تھا تو آپ کو صاف کہنا چاہیے تھا کہ میری ماں بدکار نہیں' میں معجزانہ طور پر بلا باپ پیدا ہوا ہوں لیکن اس پر تو آپ نے ایک لفظ تک نہ کہا الٹی اپنی تعریف شروع کر دی' جس کے تحت غیر شعوری طور پر مسیحؑ کے ذمہ ذیل کے جھوٹ لگا دیئے گئے ہیں' جن پر ذیل کے واضح اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

کیا آپ کو جھولے میں کتاب مل گئی تھی؟
کیا آپ کو جھولے میں نبی بنا دیا گیا تھا؟
کیا آپ جھولے میں نماز پڑھتے' زکوۃ دیتے اور والدہ کی خدمت کرتے تھے؟

یاد رہے کہ انبیاء علیھم السلام جھوٹ جیسی لعنت سے صد فیصد پاک تھے۔ اس لئے عیسیٰؑ کا جھولے میں جھوٹ بولنے کا قصہ بھی آپ پر بہتان محض اور صد فیصد غلط ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ مسیحؑ بڑے ہوئے اور آپ کو کتاب و نبوت اور صلوۃ و زکوۃ کا حکم دیا گیا اور آپ صلوۃ و زکوۃ کے عامل ہوگئے۔ اس وقت آپ نے فریضہ تبلیغ شروع کیا۔ مگر جب مریمؑ اپنی قوم کے غلط عقائد کی تردید کیلئے انہیں اپنے گاؤں لے گئیں اور آپ نے قوم کے باطل نظریات کی تردید فرمائی تو قوم نے کہا اے مریمؑ! تیرے ماں باپ تو مروجہ عقائد کے باغی نہیں تھے۔ تو یہ عجیب چیز لائی ہے جو ہمارے آبائی متوارث عقائد کا بطلان کرتا ہے۔ آپ نے جواب کیلئے مسیحؑ کی طرف اشارہ فرمایا کہ جس نے تمہارے

عقائد کا بطلان کیا ہے وہی جواب دے گا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ہم اس کل کے بچے سے کیا بات کریں۔ اس پر مسیحؑ نے فرمایا کہ میں نے **منصب** نبوت تمہارے عقائد کا بطلان کیا ہے۔ **مجھے** اللہ نے کتاب و نبوت عطا فرمائی ہے۔ صلوۃ و زکوۃ کا حکم دیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ پس اس طرح مسیحؑ کا ایک ایک دعوی سچا تھا اور اس کے برعکس یہ تصور انتہائی باطل ہے کہ شیر خوارگی کے عالم میں والدہ کی صفائی کیلئے تکلم فرمائیں۔ مگر اس کے متعلق تو ایک لفظ تک نہ کہیں اور عطاء کتاب و نبوت اور ادائے صلوۃ و زکوۃ کا دعویٰ اس وقت کریں' جب نہ نبوت ملی ہے نہ کتاب اور نہ صلوۃ ادا کرتے ہیں نہ زکوۃ نبی کی صداقت کا نشان ہی یہ ہوتا تھا کہ وہ کبھی بھی جھوٹ نہیں بولتا تھا۔ کتاب و نبوت ملنے سے پہلے کبھی نہیں کہتا تھا کہ مجھے کتاب دی گئی ہے خواہ عمر شریف کے چالیس برس بھی گزر جائیں۔

احصنت فرجھا کی بحث: مسیحؑ کو بے باپ ماننے والے "**احصنت فرجھا** مریمؑ نے اپنے ناموس کی حفاظت کی" کے الفاظ بھی اپنے نظریہ کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ **احصنت فرجھا** کا معنی غلط لیا جاتا ہے کہ مریمؑ نے نکاح نہ کرکے اپنی عصمت کی حفاظت کی۔ اس انوکھے نظریہ پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر عورت کی عصمت نکاح نہ کرنے سے محفوظ ہوتی ہے تو مسیحؑ کے سوا باقی انبیاء کی مائیں کیا معاذاللہ! باعصمت نہیں تھیں؟ اور کیا کسی خاتون کے دامن عصمت تک اس کے خاوند کا ہاتھ پہنچنے سے اس کی عصمت خراب ہوجاتی ہے؟ العجب! ثم العجب!

احصنت فرجھا کا جملہ سورہ تحریم (66/12) میں مذکور ہے۔ **والتی احصنت فرجھا**۔ اس جملہ کا سیاق کلام یہ ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے اپنی ایک بیوی کو راز کی بات کہی مگر اس نے دوسری کو بتا دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے دونوں سے توبہ کرائی کہ آئندہ کیلئے خاوند کے راز کو آگے چلا کر نافرمانی نہیں کرے گی اور اسی پر باری تعالیٰ چار شوہردار عورتوں کا ذکر بطور مثال لائے ہیں۔ دو' شوہروں کی نافرمان عورتوں نوحؑ اور لوطؑ کی بیویوں کا۔ تیسری زوجہ فرعون' جس کا شوہر اللہ تعالیٰ کا باغی تھا اور چوتھی تھیں مریمؑ۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں شوہردار عورتوں پر شوہر ہی کی فرمانبرداری یا عدم فرمانبرداری کیلئے بطور مثال چار عورتوں کا ذکر' نیک شوہر کی نافرمانی کی سزا کے اظہار کیلئے آیا ہے۔ اگر بقول روایات مریمؑ شوہردار تھیں ہی نہیں' تو یہاں ان کے ذکر کا کیا مقام ہے؟ اس کے برعکس چونکہ مومن شوہر کی فرمانبرداری کی تاکید کی مثال میں لائی گئی تین عورتیں شوہردار تھیں' اس لئے ثابت ہوا کہ چوتھی مذکورہ عورت مریمؑ بھی شوہردار' نیکوکار' سلیقہ شعار اور خاوند کی فرمانبردار بیوی تھیں۔

نیز کسی نیک عورت کی مثال معاشرہ کیلئے اسی وقت موزوں ہوسکتی ہے' جب وہ شوہردار ہو اور اس نے ازدواجی زندگی کو جنت بداماں بنانے کے ساتھ ساتھ دامن عصمت کو شوہر سے نہیں' بلکہ غیر مردوں سے محفوظ رکھا ہوا ہو۔

اس وضاحت کے بعد اب سمجھئے **فرجھا** کا صحیح قرآنی مفہوم۔ قرآن کریم میں **احصن** کا معنی نکاح کرنا بھی آیا ہے جیسے کہ (4/25) میں مذکور ہے کہ کافر معاشرہ سے آئی ہوئی تو مسلمہ عورتیں جب نکاح کرلیں۔ **فاذا احصن فان اتین بفاحشة فعلیھن نصف ما علی المحصنت من العذاب**(4/25) جب وہ نکاح کرلیں تو پھر اگر وہ بدکاری کی مرتکب ہوں تو ان کی سزا عام منکوحہ عورتوں کی سزا کا نصف ہے۔ واضح رہے کہ ہر مترجم نے **فاذا**

احصن کا معنی یہی لکھا ہے "جب وہ نکاح کرلیں" پس اس قرآنی لغت کی شہادت اور سیاق کلام کی مطابقت "کہ شوہر دار عورتوں پر شوہردار عورتوں ہی کی مثال لائی جاسکتی ہے۔ (66/12) میں **احصنت فرجھا** کا معنی یہ ہے کہ مریمؑ وہ، جس نے نکاح کرکے اپنی عصمت کو شوہر کے دائرہ میں محدود کر دیا، روک دیا۔ لفظ **احصنت**، مادہ ح۔ ص۔ ن سے ہے۔ جس کا بنیادی معنی ہے رک رہنا اور چونکہ نکاح، نام ہے ایک دائرہ کے اندر رک رہنے کا۔ اس لئے عربوں کے ہاں **احصنت المراۃ** کا معنی ہے عورت نے نکاح کیا۔ (دیکھئے لغت مراۃ القرآن مولوی عبدالحی صاحب صفحہ 77) نیز (4/24) میں آمدہ لفظ **والمحصنت** کا معنی بھی ہر مترجم نے نکاح والی عورتیں ہی لکھا ہے۔ **احصنت** کا لفظ مادہ حصن سے فعل ماضی مونث معروف ہے بمعنی اس (مریمؑ) نے نکاح کیا اور **محصنت** اسی مادہ سے اسم فاعل بصیغہ جمع مونث ہے بمعنی نکاح والی عورتیں۔

ایۃ للناس و رحمۃ" منا: سورہ مریم میں آیا ہے۔ **ولنجعلہ ایۃ" للناس و رحمۃ" منا**۔ (21/19) تاکہ ہم اسے (مسیحؑ) کو اپنی طرف سے نشانی اور رحمت قرار دیں۔ مسیحؑ کو بے باپ قرار دینے والے **ایۃ** اور **رحمۃ**" کے الفاظ سے بھی یہ دلیل پکڑتے ہیں کہ آپ چونکہ بلا باپ پیدا ہونے والے تھے۔ اس لئے انہیں **ایۃ**" اپنی نشانی کہا گیا ہے۔ واضح رہے کہ سورہ روم میں جوڑے کی پیدائش کو اللہ کی نشانی بتایا گیا ہے۔

و من ایتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا" (30/21) اور اس کی آیتوں میں سے ہے کہ تمہیں میں تمہارے جوڑے بنا دیئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ مسیحؑ کو اس لئے آیت نہیں کہا گیا کہ وہ بلا باپ تھے۔ کیونکہ (21/30) سے ثابت ہے کہ جوڑے کی پیدائش اللہ کی نشانی ہے۔ پھر سورہ مومنون میں مسیحؑ و مریمؑ ماں بیٹوں کو **ایۃ**" کہا گیا ہے۔ **و جعلنا ابن مریم و امہ ایۃ**" (23/50) اور ہم نے ابن مریمؑ اور اس کی ماں (دونوں) کو اپنی نشانی ٹھہرایا۔

واضح رہے کہ مسئلہ مسیحؑ و مریمؑ کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ (3/35) کے مطابق مریمؑ منذورہ تھیں۔ آپ ابھی ماں کے پیٹ میں تھیں کہ ان کی والدہ نے انہیں اللہ کے دین کیلئے نذر کر دیا تھا۔ اس وقت ہیکل کی منذورہ لڑکیوں کا نکاح نہیں کیا جاتا تھا بلکہ انہیں نن (NUN) بنایا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مریمؑ کے ذریعہ اس خلاف فطرت اور خلاف اسلام رسم کو توڑا۔ زکریاؑ نے مریمؑ کی کفالت کی ذمہ داری **کفلھا زکریا** (3/27) کے مطابق منذورہ مریمؑ کا نکاح کرکے نن (NUN) کی رسم کو توڑا اور اس طرح منذورہ منکوحہ مریمؑ کے ہاں مسیحؑ پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ماں بیٹا دونوں کو اپنی نشانی قرار دیا (23/50) کہ دیکھو مریمؑ منذورہ تھی ہم نے اس کا نکاح کرایا اور مسیحؑ منذورہ منکوحہ مریمؑ کے بیٹے تھے۔ بالفاظ دیگر دونوں ماں بیٹا ایک عظیم انقلابی نشانی تھے۔

اب رہا یہ سوال کہ کیا مسیحؑ کو **رحمۃ**" اس لئے کہا گیا ہے کہ آپ بے پدر تھے؟ ...... ہرگز نہیں۔ دراصل اللہ کی رحمت اس کا قانون ہے۔ جس کے سایہ میں نوع انسانی اپنے حقوق ربوبیت حاصل کرتی ہے۔ چونکہ مسیحؑ کو رحمت بھرا قانون عطا کیا گیا تھا۔ اس لئے آپ کو بھی رحمت کہا گیا ہے۔ محمد رسول اللہؐ کیلئے **رحمۃ" للعلمین** (21/107) کے الفاظ آئے ہیں۔ تو کیا اس سے یہ مراد لی جاسکتی ہے کہ معاذ اللہ رسول مقبولؐ بلا باپ پیدا

ہوئے تھے؟

فتمثل لها بشرا" سويا" : سورہ مریم میں آیا ہے۔

فارسلنا اليها روحنا فتمثل لها بشرا" سويا" (19/17) مسیحؑ کو بے باپ قرار دینے والے یہ کہتے ہیں کہ جب مریمؑ جوان ہوگئیں اور انہیں ماہواری کورس شروع ہوا تو غسل حیض کیلئے غسلخانہ میں تھیں کہ جبریل ایک خوبصورت نوجوان کی صورت میں غسلخانہ کے اندر داخل ہوئے۔ اس پر مریمؑ میں نسوانی خواہش پیدا ہوئی۔ جبریل نے پھونک ماری تو انہیں حمل ہوگیا۔ (تفسیر ابن کثیر جلد سوم صفحہ 224۔ بحوالہ حقیقۃ المسیح مصنفہ علامہ عبدالقیوم صاحب۔ منڈی بہاؤ الدین والے۔ صفحہ 98)

العیاذباللہ! افسوس ہے کہ مسیحؑ کو بے باپ قرار دینے والوں کو اس طرح جبریل کا سڈول نوجوان کی شکل میں مریمؑ کے پاس غسلخانہ کے اندر داخل ہونا بھی گوارا ہے اور پھونک مار کر حمل کرنا بھی منظور ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا اٹل قانون جاریہ گوارا نہیں۔ اب آیئے **فارسلنا اليها روحنا** کے اصل قرآنی مفہوم کی طرف۔ واضح رہے کہ قرآن مجید میں روح کا معنی آیا ہے۔ وحی، تعلیم۔ **وكذلك اوحينا اليك روحا" من امرنا** (42/52) اور اسی طرح ہم نے (اے رسولؐ!) آپ کی طرف اپنی تعلیم، قرآن وحی کیا۔ پھر قرآن کریم میں اسم بمعنی اسم فاعل بھی موجود ہے۔ جیسے کہ **هو اذن** (9/61) محمد رسول اللہؐ کیلئے آیا ہے۔ جس کا معنی کان نہیں، بلکہ سننے والا ہے۔ اسم بمعنی اسم فاعل۔ اسی طرح (19/17) **روحنا** میں روح، اسم بمعنی اسم فاعل ہے یعنی اللہ کی تعلیم، اس کی وحی کو پانے والا۔ یہ زکریاؑ نبی تھے۔ جو اس وقت اللہ تعالیٰ سے وحی پاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے فرض کفالت کے مطابق مریمؑ کے پاس بھیجا۔ اگلی آیت میں وہ صاف کہتے ہیں۔ **انا رسول ربك** (19/18) میں تیرے رب کا رسول ہوں۔ **فتمثل لها بشرا" سويا"** کا معنی شکل بدلنا، بہروپ بھرنا نہیں اور نہ ہی کوئی نوع شکل بدل کر کسی دوسری نوع میں داخل ہوسکتی ہے۔

تمثل کا معنی ہے حال بیان کرنا۔ دیکھئے لغت منتہی الارب مطبوعہ مطبع اسلامیہ جلد چہارم کے صفحہ 814 پر تمثل کے متعدد معنوں میں ایک معنی لکھا ہے۔ "داستان زدن" حالات بیان کرنا۔ پس **فتمثل لها بشرا" سويا"** کا معنی یہ ہے کہ زکریاؑ رسول نے مریمؑ سے ایک بشر سوی کے حالات بیان کئے۔ منگنی کے وقت ولی اور کفیل کے فرائض میں داخل ہے کہ لڑکی کو اس کے ہونے والے شوہر کے حالات سے آگاہ کرے۔ (2/235) پس یہ صرف اتنی معروف سی بات ہے جس پر غلط حاشیہ آرائی کرکے جبریل کو ایک سڈول نوجوان کی صورت میں مریمؑ کے غسلخانے میں داخل کرنے کی جرات بیباک کی گئی ہے۔ العیاذباللہ!

زکریاؑ ساتھ ہی بارشاد باری مریمؑ کو بیٹے کی خوشخبری بھی دیتے ہیں۔ جب آپ نے بشر سوی، ایک مرد کامل کے حالات بیان کئے تو مریمؑ نے کہا۔ **انى اعوذ بالرحمٰن منك ان كنت تقيا"** (19/18) بیشک میں آپ کی تربیت سے رحمان کی پناہ میں ہوں۔ بلاشبہ آپ مجھے ہر قسم کے خطرات سے بچانے والے ہیں۔ اس پر زکریاؑ نے فرمایا۔ **قال انا رسول ربك لاهب لك غلما" زكيا"**۔ (19/18) کہا میں تیرے رب کا رسول ہوں اس لئے بھیجا گیا ہوں

کہ تجھے ایک پاکیزہ بیٹے کی خوشخبری دوں۔

منک کا معنی ہے تیری طرف سے' تیری تربیت سے میں رحمان کی پناہ میں ہوں۔

اِنْ اِنَّ کا مخفف ہے بمعنی بیشک' بلاشبہ۔ یہ اِنْ شرطیہ نہیں' جیسے کہ روایتی مفہوم میں شرطیہ قرار دے کر یہ مضحکہ خیز مفہوم لیا گیا ہے کہ مریمؑ نے روپ بدلے ہوئے جبریل سڈول نوجوان سے کہا کہ اگر تو پرہیز گار ہے تو میں اللہ کی پناہ میں ہوں۔

لاھب کے بعد **بشارہ** محذوف ہے اور مفہوم یہ ہے کہ مجھے پاکیزہ بیٹے کی خوشخبری دینے کیلئے بھیجا گیا ہے۔

تاویل ترجمہ : الختصرا سورہ آل عمران اور سورہ مریم کی آیتیں متشابہات ہیں' جن کی تاویل محکمات کے ماتحت کرنا لازم ہے۔ اسی کے ضمن میں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اکثر لوگ تاویل و ترجمہ میں امتیاز نہیں کرتے۔ کسی عبارت کے ترجمہ کے مصنف کی طرف منسوب کرنا ذہنی دیانت (Intellectua' Honesty) پر مبنی ہے۔ مگر کسی عبارت کی تاویل کو مصنف کی طرف منسوب کرنا کسی بھی صورت میں صحیح نہیں اسے ذہنی بد دیانتی (Intellectual Dishonesty) ہی کہا جائے گا۔ اسے ایک مثال کے ساتھ واضح کیا جاتا ہے۔ اگر کسی مصنف نے ذیل کے جملے لکھے ہوں۔

1- Mr. Z.A Bhutto is a Reliable Person.

2- Mr. Z.A Bhutto is a Shining Star.

انگریزی الفاظ کی پہلی عبارت کا ترجمہ یہ ہے : مسٹر زیڈ اے بھٹو ایک قابل اعتماد شخص ہے۔ اس مفہوم کو بلا تامل مصنف کی طرف منسوب کیا جانا صحیح ہے۔ انگریزی کی دوسری عبارت کا لفظی ترجمہ یہ ہے : مسٹر زیڈ! اے بھٹو ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے۔ "اب چمکتا ہوا ستارہ" کی مختلف تاویلات ہوسکتی ہیں۔ مثال کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ شخص مذکور کو اس لئے "چمکتا ہوا ستارہ" کہا گیا ہے کہ وہ مشہور و معروف شخصیت ہے یا اس لئے کہ وہ کامیاب آدمی ہے یا یہ کہ وہ ہر دلعزیز ہے علیٰ ہذا القیاس۔ لیکن ان تاویلات میں سے کسی ایک کو بھی مصنف کی طرف حتمی طور پر منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں مصنف نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ مسٹر زیڈ۔ اے بھٹو مشہور و معروف شخص ہے کیونکہ یہ (Shining Star) کا ترجمہ نہیں بلکہ ان الفاظ کے ترجمہ "چمکتا ہوا ستارہ" کی تاویل ہے۔ اپنی تاویل کو مصنف کی طرف منسوب کرنا دیانت نہیں۔ کیونکہ ذاتی تاویل میں غلط اور صحیح دونوں صورتیں ہوسکتی ہیں۔ اس کے برعکس اگر فاضل مصنف نے کسی دوسرے مقام پر اس کی خود تاویل پیش کر دی ہو تو اسے حتمی اور یقینی طور پر مصنف کی طرف منسوب کرنا صحیح ہے۔

اسی طرح قرآن مجید کے کسی لفظ کی خود تاویل کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا ہرگز صحیح نہیں۔ سوائے اس تاویل کے جو اللہ تعالیٰ نے خود کر دی ہو۔ اسے بھی ایک مثال سے واضح کیا جاتا ہے۔ ارشاد باری ہے۔

انا خلقنا الانسان۔ بیشک ہم نے انسان کو پیدا کیا۔ عیسائیوں نے ہم کے لفظ کو مدنظر رکھ کر یہ کہا کہ جمع کا صیغہ کم از کم تین سے شروع ہوتا ہے۔ اس لئے یہ کہنے میں کوئی عذر نہیں ہونا چاہیے کہ معاذ اللہ معاذ اللہ' نقل کفر

کفر نباشد) قرآن مجید نے تین خداؤں کا تصور پیش کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تاویل صد فیصد ذہنی بددیانتی پر مبنی ہے۔ کیونکہ یہ قرآن کریم کی کسی عبارت کا ترجمہ نہیں بلکہ محض منطقی موشگافی ہے۔ جو صد فیصد غلط اور ناقابل اعتماد ہے۔ کیونکہ قرآن مجید نے محکم آیت میں اعلان کر دیا ہے۔ **ھواللہ احد** وہ اللہ ایک ہے۔ عیسائیوں کے برعکس مسلمانوں نے لفظ ہم کی یہ تاویل کی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت و جلال کے اظہار کیلئے اپنے واسطے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ یہ تاویل صد فیصد صحیح ہے۔ کیونکہ اس کی صحت قرآن کریم کی محکم آیت **ھو اللہ احد** کے مطابق ثابت ہے۔ نیز یہ تاویل قرآن کریم کی کسی نص صریح سے معارض بھی نہیں۔

واضح رہے کہ:

لیکن اس صد فیصد صحت کے باوجود ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بتایا ہے کہ اُس نے جمع کا صیغہ اپنی عظمت و جلال کے اظہار کیلئے استعمال کیا ہے۔ خط کشیدہ عبارت قرآن کریم کی کسی آیت کا ترجمہ نہیں بلکہ لفظ **ہم** کی تاویل ہے۔ اس لئے صرف یہ کہنا صحیح ہے کہ عیسائیوں کی تین خداؤں کی تاویل ازروئے قرآن صد فیصد غلط ہے اور مسلمانوں کی تاویل ازروئے قرآن قرین قیاس اور قرآن کریم کے صد فیصد مطابق ہے۔ اس لئے صحیح ہے۔

المختصر! کسی تاویل کو مصنف کی طرف بغیر مصنف کی اپنی تاویل کے منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ جن حضرات نے سورہ آل عمران اور سورہ مریم کی آیات سے ولادت مسیحؑ بن باپ کا عقیدہ اخذ کیا ہے۔ انہوں نے متشابہات کی پیروی کر کے محکمات سے سرتابی کی ہے۔ کیونکہ ولادت بن باپ کی تردید محکمات میں بلا تاویل موجود ہے۔ اس لئے یہ کہنا مطلقاً" غلط ہے کہ ولادت مسیحؑ بلا باپ قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اس کے برعکس جن حضرات نے ولادت کے قانون جاریہ باپدر والی آیات محکمات کے مطابق سورہ آل عمران اور سورہ مریم والی آیات متشابہات کی تاویل کی ہے۔ ان کی تاویل قرین قیاس اور صحیح ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صحیح عقائد تو قرآنی آیات محکمات کے ترجمہ ہی سے واضح ہو جاتے ہیں۔ البتہ غلط عقائد کو سہارا دینے کیلئے تاویل' قیاس اور منطقی موشگافیوں سے کام لینا پڑتا ہے۔

سطور بالا سے مقصد یہ ہے کہ آیات متشابہات کی ہمیشہ وہ تاویل کی جانی چاہیے' جس سے قرآن کریم میں تضاد پیدا نہ ہو۔ یہی حکم باری اور منشاء ایزدی ہے۔ اس لئے اہل اسلام سے التماس ہے کہ جو لوگ دیانتا" اور ایمانا" ولادت بے باپ کے قائل ہیں۔ وہ اس عقیدہ سے رجوع فرمائیں۔ اسے اپنے وقار کا مسئلہ نہ بنائیں تاکہ نہ قرآنی آیات محکمات کی تکذیب کے مرتکب ہوں اور نہ متشابہات کی غلط تاویل کے ساتھ اس بہتان عظیم کا باعث بنیں کہ مسیحؑ کی ولادت بے باپ کا عقیدہ قرآن نے پیش کیا ہے۔

اللہ کی قدرت: مریمؑ کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ نے انہیں اپنی قدرت سے حمل کیا تھا اور اس طرح یہ حضرات مسیحؑ کو خدا کا بیٹا ٹھہرا کر اِلٰہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن قرآن کہتا ہے۔ **وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا۔ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا۔ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا۔ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا۔** (19/91 تا 88) اور وہ کہتے ہیں کہ رحمان نے بیٹا پکڑا ہے بیشک تم ایک خطرناک بات کر

گزرے۔ قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ پڑیں۔ زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر گر پڑیں کہ وہ رحمان کیلئے بیٹے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حالانکہ رحمان کی شایان شان یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جتنی بھی چیزیں ہیں' سوائے اس کے نہیں کہ وہ اس کے پاس غلام ہوکر آئیں۔ پس مسیحؑ کا بلا باپ کا عقیدہ خالص عیسائی عقیدہ ہے کہ جب ان کا باپ کوئی مرد نہیں تھا اور مریمؑ کو اپنی قدرت سے اللہ نے حمل کیا تھا تو اللہ ہی ان کا باپ ہے۔ افسوس ہے کہ اہل اسلام بھی مسیحؑ کے بے باپ عقیدہ کو سینے سے لگائے پھرتے اور غیر شعوری طور پر عیسائیت کو تقویت دیتے اور نبی اکرمؐ پر مسیحؑ کو افضل ٹھہراتے ہیں کہ معاذاللہ! نبی اکرمؐ خاتم النبینؐ تو اللہ کی قدرت کے بغیر پیدا ہوئے تھے اور مسیحؑ کا حمل اور پیدائش اللہ کی قدرت سے ہوئی تھی۔ یہ عقیدہ سراسر باطل اور قوانین قدرت کے خلاف ہے۔

فلسفہ ابن مریمؑ: قرآن کریم میں مسیحؑ کو جو ابن مریمؑ کہہ کر پکارا گیا ہے۔ علماء کرام اس کا یہ فلسفہ بتاتے ہیں کہ مسیحؑ کا چونکہ باپ نہیں تھا۔ اس لئے آپ کو ماں کے نام سے پکارا گیا ہے۔ حالانکہ اٹل اور مستقل حقیقت یہ ہے کہ ہر بچہ حمل کے ذریعہ ماں ہی سے پیدا ہوتا ہے اور اس کا باپ ضرور ہوتا ہے۔ سورۂ بلد کے الفاظ ذیل پر غور فرمائیں۔ **وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ** (90/3) اور باپ اور جو اس نے جنا۔ یعنی بیٹا باپ ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اگرچہ اسے ماں ہی جنتی ہے۔ **مثلاً** موسیٰؑ کی والدہ محترمہ کا ذکر جابجا قرآن حکیم میں آیا ہے مگر باپ کا کوئی ذکر نہیں تو کیا اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ ان کا باپ نہیں تھا؟ ہارونؑ نے انہیں ان الفاظ میں مخاطب فرمایا: **یَا بْنَؤُمَّ** (20/94) میری ماں کے بیٹے۔ تو کیا ماں کا بیٹا کہنے سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں کا باپ نہیں تھا؟ **فتدبر!**

عیسائی مذہب کے پیشوا ابن مریمؑ کا یہ فلسفہ بیان کرتے ہیں کہ

(1) مسیحؑ اللہ کے اوتار (عین اللہ) تھے کیونکہ آپ کنواری کے بطن سے پیدا ہوئے۔ چونکہ وہ بے باپ تھے اس لئے اللہ کے بیٹے تھے۔

(2) آدمؑ کے گناہ سے ابن آدم گنہگار ہوگئے۔ اس لئے مسیحؑ کو بلانطفہ پیدا کیا تاکہ وہ گناہوں سے پاک اور گنہگاروں کا نجات دہندہ ہو۔

(3) تمام لوگ نطفہ سے پیدا ہوئے مگر مسیحؑ روح سے پیدا ہوئے۔ اس لئے وہ تمام انسانوں سے افضل تھے۔

(4) چونکہ مسیحؑ روح سے پیدا ہوئے اور خود روح تھے۔ اس لئے ان کے مذہب میں روحانیت ہے۔

اب ناظرین کرام مسلمانوں اور عیسائیوں کے فلسفہ ابن مریمؑ کا موازنہ کرکے دیکھ لیں کہ اپنے مذہب کی تبلیغ میں کون چالاک اور ذہین ہے۔ بلاشبہ پیشوایان اہل اسلام کا ابن مریمؑ کے الفاظ سے یہ نتیجہ نکالنا کہ مسیحؑ کا باپ نہیں تھا' دراصل عیسائیت کی تبلیغ ہے۔ اس عقیدہ کے مطابق وہ اسلام کو عیسائیت پر فوقیت نہیں دے سکتے اور نہ عیسائیوں کے باطل عقائد کی تردید کرسکتے ہیں بلکہ عیسائیوں کو یہ کہنے کا خود موقعہ دیتے ہیں کہ جب مسیحؑ کا باپ نہیں تھا اس لئے ان کا باپ اللہ تھا۔ حالانکہ ابن مریمؑ کے الفاظ میں بہت سے مخصوص نکات موجود ہیں۔

پہلا نکتہ: بار بار ابن مریمؑ کہہ کر عیسائیوں پر واضح کیا گیا ہے کہ تم مریمؑ کے جنے ہوئے کو خدا بتاتے ہو' حالانکہ خدا جنا نہیں جاتا۔ پھر اللہ کو تو بیٹے کی ضرورت ہی نہیں۔ بیٹے کی ضرورت اسے ہوتی ہے جسے بڑھاپا اور موت لازم ہو'

تاکہ بیٹا اس کے بڑھاپے کا سہارا بنے اور جب وہ مرجائے تو اس کا جانشین ہو۔ لیکن جبکہ اللہ تعالیٰ کو نہ بڑھاپا ہے نہ موت' اس لئے اسے بیٹے کی ضرورت ہی نہیں۔ چونکہ مسیحؑ کے سوا کسی بھی نبی کو لوگوں نے خدا نہیں بنایا۔ اس لئے کسی نبی کو ماں کے نام سے نہیں پکارا گیا۔ مسیحؑ کو چونکہ خدا ٹھہرایا گیا ہے اسلئے انہیں بار بار ابن مریمؑ (مریم) کا جنا ہوا) کہا گیا ہے تاکہ عقیدہ ابن اللہ کی ٹھوس تردید ہو جائے۔

دوسرا نکتہ : نیز ابن مریمؑ کہہ کر یہ بتایا گیا ہے کہ مریمؑ جو نوع انسانی ہی کی ایک فرد تھیں۔ ان کا جنا ہوا بھی ماوراء انسان نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ انسان میں سے انسان ہی پیدا ہوتا ہے۔ اسلئے بار بار "ابن مریم" کہہ کر عیسائیوں کو درس دیا گیا ہے کہ انسان سے پیدا شدہ کو خدا نہ ٹھہراؤ جبکہ **کانا یا کلن اطعام** (5/75) دونوں ماں بیٹا کھانا کھاتے تھے۔ اب نہیں کھاتے۔ کیوں؟ اسلئے دونوں فوت ہوچکے ہیں اور جو کھانا کھاتا ہو اور فوت ہو جائے وہ خدا نہیں ہوسکتا۔

تیسرا نکتہ : ابن مریمؑ کہہ کر عیسائیوں کے اس باطل عقیدہ کی تردید کی گئی ہے کہ لوگ عورتوں سے پیدا ہونے کی وجہ سے گنہگار ہوتے ہیں۔ جیسے کہ بائبل میں لکھا ہے کہ "وہ جو عورت سے پیدا ہوا ہے' کیونکر پاک ٹھہرے" (ایوب : 25-4) اگر اس اصول کو مانا جائے تو مسیحؑ جو عورت سے پیدا ہوئے' کیونکر پاک اور نجات دہندہ ہوسکتے ہیں؟ ابن مریمؑ کہہ کر عورتوں کو بھی عیسائیوں کے اس الزام سے بری کیا گیا ہے کہ عورتوں کی اولاد ناپاک ہوتی ہے۔ کیونکہ انسان پاک یا ناپاک عمل کے ساتھ ہوتا ہے۔

چوتھا نکتہ : ابن مریمؑ کہہ کر مریمؑ کا منذورہ ہونا یاد دلایا اور یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کے دین کیلئے جس طرح مرد کام کرسکتے ہیں' اسی طرح عورتیں بھی کام کرسکتی ہیں۔ جس طرح مرد نیکوکار' عابد' معلم اور مبلغ ہوسکتے ہیں' اسی طرح عورتیں بھی نیکو کارہ' عابدہ' معلمہ اور مبلغہ ہوسکتی ہیں۔ نیز جو لوگ زکریاؑ کے ہیکل میں ان سے ملنے آتے وہ مریمؑ کی مزکورہ بالا صفات حمیدہ سے متاثر ہوکر دور دور تک ان کی شہرت کرتے' جس سے آپ بے حد مشہور ہوگئیں۔ اس لئے آپ کا بیٹا' باپ کی بجائے آپ کا نام سے پکارا جانے لگا۔ قرآن کریم نے ابن مریم کے الفاظ کو جو اس کے نزول سے پہلے عوام میں مروج تھے' قائم رکھا۔

پانچواں نکتہ : ابن مریمؑ کہہ کر یہ بتایا گیا ہے کہ مریمؑ صدیقہ کی حیثیت اپنے خاوند کی نسبت بہت بلند تھی۔ آپ دین اللہ کی عالمہ' معلمہ اور مبلغہ تھیں' مگر آپ کا شوہر بائبل کی رو سے صرف بڑھئی تھا۔ اس لئے مسیحؑ اپنے والدین سے مشہور و معروف ہستی والدہ کے نام سے ابن مریمؑ کہہ کر پکارے گئے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ فاطمہؓ رسول اکرمؐ کی صاحبزادی ہونے کی بدولت علیؓ کی نسبت زیادہ معروف تھیں۔ اسی لئے ان کی اولاد بنی فاطمہؓ کے نام سے مشہور ہے۔ دوسری مثال یہ ہے کہ ایڈورڈ ہفتم کو ہمیشہ ملکہ کا بیٹا کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان عورتوں کے خاوند نہیں تھے۔ بلکہ معنی اور مفہوم یہ ہے کہ ان عورتوں کے خاوندوں کی حیثیت بیویوں کے مقابلے پر کم تھی' کوئی وجہ نہیں کہ اگر زوجین میں سے بیوی زیادہ معروف ہو تو اولاد اس کے نام سے نہ پکاری جائے۔ حالانکہ

اولاد دونوں سے ہوتی ہے۔ جب اولاد باپ کے نام سے پکاری جاتی ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ ان کی ماں نہیں ہے۔ اسی طرح اگر اولاد ماں کے نام سے پکاری جائے تو اسکا یہ معنی ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ان کا باپ کوئی نہیں۔

الختصر! عیسیٰ مسیحؑ کی ولادت بے باپ کا نظریہ نہ قرآنی آیات محکمات کے ترازو پر پورا اترتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ایک سیکنڈ کیلئے بھی اس کی متحمل ہو سکتی ہے۔

مسئلہ نزول مسیحؑ

واضح رہے کہ مسئلہ نزول مسیحؑ صرف اور محض روایات کا پیدا کردہ ہے' قرآن کریم میں اس کا مطلقاً" وجود تک نہیں۔ سوائے اس کے کہ روایات کے دیئے ہوئے اس فرضی تصور کو آیات قرآنیہ کو توڑ موڑ کر ثابت کیا جاتا ہے کہ مسیحؑ کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھایا ہوا ہے اور آپ آج تک آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ قرب قیامت آسمان سے نازل ہونگے۔ صلیب توڑیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے اور بالآخر مرجائیں گے۔ مسلمان ان کا جنازہ پڑھیں گے اور دفن کردیں گے۔ اس نظریہ کی اساس بخاری شریف کی روایت ذیل پر ہے۔ بغور ملاحظہ فرمائیں۔

عن ابی هریره قال رسول الله صلی الله علیه وسلم والذ ی نفسی بید ه لیو شکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عد لاً فیکسر الصلیب و یقتل الخنزیر و یضع الجزیة و یفیض المال حتی لا یقبله احد احتی تکون السجد ه الواحد ه خیراً من الد نیا و ما فیها۔ ثم یقول ابو هریره و اقراء وا ان شئتم و ان من اهل الکتب الا لیومنن به قبل موته و یوم القیمة یکون علیهم شهیداً۔

(مفہوم) : ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ نے فرمایا' قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے' ضرور ضرور عنقریب تم میں ابن مریم اتریں گے ایک عادل حاکم کی حیثیت سے۔ وہ صلیب کو توڑیں گے' سوروں کو قتل کریں گے' جزیہ کو اٹھا دیں گے اور مال اس حد تک لٹائیں گے کہ کوئی اس کا قبول کرنے والا نہ رہے گا۔ یہاں تک کہ ایک سجدہ دنیا و ما فیہا سے بہتر سمجھا جائے گا۔ پھر ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اگر چاہو تو پڑھو و ان **من اهل الکتب .... تا علیهم شهیداً۔** *(4/159)*

عن ابی هریره ان النبی صلی الله علیه وسلم قال لیس بینی و بینه نبی (یعنی عیسیٰؑ) **و انه نازل فاذ ا رایتموه فاعر فوه رجل مر بوع الی الحمره البیاض بین محصر تین کاک راسه یقطروان لم یصبه بلل فیقاتل الناس علی الاسلام فید ق الصلیب و یقتل الخنزیر و یصنع الجزیة و یهلک الله فی زمانه الملل الا الا سلام و یهلک المسیح الد جال فیمکث فی الارض اربعین سنة ثم یتوفی فیصلی علیه المسلمون۔** (ابو داؤد' کتاب الملاحم' باب خروج الدجال' مسند احمد' مرویات ابوہریرہ) ------ ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے اور ان (عیسیٰؑ) کے درمیان کوئی نبی نہیں اور یہ کہ وہ اترنے والے ہیں۔ پس جب تم ان کو دیکھو تو پہچان لینا۔ ایک میانہ قد آدمی ہیں' رنگ مائل بسرخی و سفیدی ہے۔ زرد رنگ کے کپڑے

پہنے ہونگے۔ وہ اسلام پر لوگوں سے جنگ کریں گے۔ صلیب کو پاش پاش کر دیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے‘ جزیہ کو ختم کریں گے۔ اللہ ان کے زمانے میں تمام ملتوں کو مٹا دے گا سوائے اسلام کے اور وہ مسیح دجال کو قتل کر دیں گے۔ زمین میں چالیس سال ٹھہریں گے پھر ان کا انتقال ہو جائے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔ (تفہیم القرآن مودودی صاحب سورہ احزاب صفحہ 130-131)

مرزا غلام احمد قادیانی جن کے دعویٰ کی بنیاد‘ نزول مسیح کی روایتوں کی تاویل پر تھی۔ بخاری شریف کی اس روایت کی کوئی تاویل نہیں کرسکے‘ بلکہ ازالہ اوہام میں لکھتے ہیں۔ ”ممکن اور بالکل ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں کوئی ایسا مسیح بھی آجائے جس پر حدیثوں کے بعض ظاہری الفاظ صادق آسکیں۔ کیونکہ یہ عاجز دنیا کی حکومت اور بادشاہی کے ساتھ نہیں آیا۔ درویشی اور غربت کے لباس میں آیا ہے اور جب یہ حال ہے تو علماء کیلئے اشکال ہی کیا ہے۔ ممکن ہے کسی وقت ان کی یہ مراد بھی پوری ہو جائے۔“

تنقید و تبصرہ : (ملخص ماہنامہ طلوع اسلام کراچی دسمبر 1952ء صفحہ 29-30 تنقید مضامین احادیث نزول عیسیٰؑ از علامہ تمنا عمادی)

اس روایت میں جو جزیہ کے موقوف کرنے کا ذکر ہے اس سے یہ نظریہ سامنے آتا ہے کہ مسیحؑ اہل کتاب‘ کفار و مشرکین کے ساتھ اس وقت تک لڑیں گے کہ وہ اسلام قبول کرلیں۔ کوئی غیر مسلم باقی نہ رہے تاکہ جزیہ موقوف ہوجائے‘ ختم ہو جائے۔ یعنی وہ قرآن حکیم کے حکیمانہ احکام کو منسوخ کرنے کے مجاز ہونگے۔ قرآن کریم نے جو اہل کتاب کو ذمی کی حیثیت سے اسلامی ریاست میں رہنے کی اجازت دی ہے اور اس طرح ان کے مال‘ جان‘ جائیداد اور عبادت خانوں کی حفاظت اسلامی حکومت کے ذمہ آتی ہے‘ جس کی جزا ہے جزیہ‘ وہ ان تمام احکام قرآنیہ کو منسوخ کر دیں گے۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ وہ نبی اکرمؐ کے امتی بن کر نہیں آئیں گے‘ بلکہ صاحب شریعت نبی بن کر آئیں گے اور جس طرح بائبل کی خبر کے مطابق پہلی مرتبہ آکر تورات کے احکام منسوخ کئے تھے اسی طرح اس مرتبہ قرآنی شریعت کے احکام میں سے اہل کتاب کو ذمیوں کے حقوق سے محروم اور جزیہ کو موقوف کر دیں گے۔ العیاذ باللہ!

بالفاظ دیگر جب آپ شریعت قرآنیہ میں محو و اثبات کا حکم لے کر آئیں گے تو کھل کر ثابت ہوا کہ یہ محو و اثبات اپنی لائی ہوئی نئی شریعت کے مطابق ہوگا۔ سابقہ شریعت میں سے جن احکام کو بحال رکھیں گے‘ وہ اپنی لائی ہوئی شریعت اور اپنی صوابدید کے مطابق ہوگا نہ کہ شریعت محمدیہ کی اتباع میں ہوگا۔ واضح رہے کہ جب اس اعتراض کا جواب محدثین سے بن نہ پڑا تو کہنے لگے کہ مسیحؑ وضع جزیہ رسول اللہ ﷺ کی پیشگوئی کے مطابق کریں گے تو یہ چونکہ نبی اکرمؐ کے فرمانے کے مطابق ہوگا‘ اس لئے آپؐ کی اتباع ہی میں ہوگا۔“ ----- یہ کوئی جواب نہیں بلکہ محض بات بنائی گئی ہے۔ اگر پیشگوئی والا ہی معاملہ ہے تو احادیث میں دجال کے متعلق بھی پیشگوئی موجود ہے کہ وہ مخلوق باری تعالیٰ کو ہرچہار طرف سے گمراہ کرے گا۔ تو اس پیشگوئی کے مطابق‘ جو کچھ دجال کرے گا‘ کیا وہ بھی شریعت محمدیہ کے اتباع میں ہوگا؟ اور کیا وہ بھی احکام نبویؐ بجا لائے گا؟ اس طرح تو مسیحؑ و دجال دونوں کی حیثیت اتباع شریعت محمدیہ کے مطابق ایک جیسی ہوگی۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ ایک کو اچھا اور دوسرے کو برا سمجھا جائے۔

العجب ثم العجب!

نیز اس جواب سے ایک چیز یہ بھی نمایاں ہو رہی ہے کہ قرآن کریم کچھ اور چیز ہے اور شریعت محمدیہ کچھ اور چیز عیسیٰؑ جو آئیں گے تو قرآن کریم کے بعض احکام' اہل کتاب کے ذمی ہونے کے حقوق اور جزیہ کو منسوخ کرسکیں گے مگر شریعت محمدیہ کو منسوخ نہیں بلکہ اس کی اتباع کریں گے۔ بہت خوب! العجب! ثم العجب!

آیت مجیدہ (4/159) کا مفہوم: بخاری شریف کی روایت نزول مسیحؑ میں آیت مجیدہ (4/159) کا جو حوالہ دیا گیا ہے اس کا متن اور مروجہ ترجمہ حسب ذیل ہے۔ **و ان من اھل الکتب الا لیو منن بہ قبل موتہ و یوم القیمۃ یکون علیھم شھید ا** (4/159) (مروجہ ترجمہ) اور کوئی نہیں ہوگا اہل کتاب میں سے کہ وہ ضرور ضرور اس (مسیحؑ) کی موت سے پہلے اس پر ایمان لائے گا اور وہ (مسیحؑ) ان پر قیامت کے دن گواہ ہوگا۔

تنقید و تبصرہ: (ملخص ماہنامہ طلوع اسلام کراچی دسمبر 1953ء تنقید مضامین نزول مسیحؑ از علامہ تمنا عمادی)

بخاری شریف کی مذکورہ بالا حدیث کی بدولت (جو پچھلے صفحہ پر گزر چکی ہے) محدثین و مفسرین نے اس آیت (4/159) کے مفہوم میں دھوکا کھایا ہے اور **لیئو منن بہ** میں آمدہ ضمیر **بہ** اور **قبل موتہ** کی ضمیرہ ہ دونوں کو مسیحؑ کی طرف پھیر کر اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ جب مسیحؑ آسمان سے واپس آئیں گے تو اس وقت ان کی موت سے پہلے سارے اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے یعنی یہ آیت مجیدہ قرآن کریم سے کوئی تعلق نہیں رکھتی اور نہ اسے اپنی ماقبل اور مابعد آیتوں کے ساتھ کوئی تعلق ہے بلکہ اس کا جتنا بھی تعلق ہے بخاری شریف کی حدیث کے ساتھ ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں تو مسیحؑ کے دوبارہ دنیا میں آنے کا ذکر تک موجود نہیں کہ آیت مجیدہ کے مفہوم میں یہ اضافہ کیا جاسکے کہ جب عیسیٰؑ دوبارہ دنیا میں آئیں گے تو اس وقت اہل کتاب میں سے کوئی ایک فرد بھی ایسا نہ ہوگا جو اس وقت مسیحؑ پر ان کی موت سے پہلے ایمان نہ لے آئے۔

یہ تعین وقت والا مفہوم جب اس حدیث ہی سے نکالا جا رہا ہے تو اس آیت کو بخاری شریف کا حصہ ہونا چاہیے' قرآن کا ٹکڑا نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ قرآن مجید میں تعین وقت کا مفہوم بائے بسم اللہ سے سین والناس تک کہیں موجود نہیں۔ الغرض آیت مجیدہ (4/159) کا جوڑ مذکورہ روایت کے ساتھ جوڑا گیا ہے' صرف اس عقیدے کے مطابق کہ مسیحؑ زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے ہیں اور اس وقت تک وہاں زندہ ہیں اور مزید زندہ رہیں گے۔ قیامت سے کچھ پہلے دوبارہ زمین پر اتریں گے اور چند سال زندہ رہ کر وفات پا جائیں گے اور جب تک ان کی موت نہیں ہوگی اس وقت تک اہل کتاب کا ہر فرد اس بات پر ضرور بالضرور ایمان لائے گا کہ انہیں کسی نے قتل نہیں کیا تھا بلکہ انہیں اللہ نے آسمان پر اٹھا لیا تھا' یعنی اس آیت کا جوڑ' مذکورہ روایت کے ساتھ اس لئے نہیں جوڑا کہ لوگ قرآن مجید کے مطابق عقیدہ قائم کریں' بلکہ اس لئے کہ روایت سے حاصل کردہ عقیدہ کی تائید قرآن سے حاصل کی جائے۔

واضح رہے کہ **لیئومنن بہ** اور **قبل موتہ** کی دونوں ضمیروں کو اگر مسیحؑ کی ذات کی طرف پھیرا جائے تو ان معنوں کے مطابق ماننا پڑے گا کہ زمانہ نزول قرآن سے لے کر جب یہ آیت اتری تھی' جو اس وقت تک تقریباً" چودہ سو برس ہوتے ہیں' جتنے اہل کتاب گزرے ہیں' سب کے سب مومن ہوکر گزرے ہیں' کیونکہ روایتی نظریہ نزول مسیحؑ

کے مطابق ہنوز مسیح زندہ ہیں اور **قبل موتہ** کا زمانہ بدستور چل رہا ہے۔ اب نصاریٰ تو چونکہ پہلے ہی مسیح پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس لئے یہاں ایمان لانے والے' اہل کتاب سے مراد یہودی ہی ہوسکتے ہیں۔ تو اس طرح مذکورہ روایتی مفہوم کے مطابق عملی صورت یہ ہونی چاہیے کہ جتنے یہودی کرہ ارض پر موجود ہیں وہ سب عیسائی ہوچکے ہوں یا ہر یہودی مرنے سے کافی عرصہ پہلے مسیح پر ضرور ضرور ایمان لاچکا ہو۔ تاکہ قرآن کریم کی پیشگوئی سچی ثابت ہوسکے۔ کیونکہ روایتی ترجمہ کے مطابق **ان من اهل الكتب الا ليومنن به قبل موته** میں نفی اثبات کے حصر کے ساتھ اعلان کیا گیا ہے کہ مسیح کی موت سے پہلے ایک ایک اہل کتاب یہودی مسیح پر ضرور ضرور ایمان لے آئے گا۔ (یہ ہے روایتی مفہوم)

لیکن چونکہ مشاہدہ اس کے خلاف ہے کہ کروڑوں یہودی مسیح پر ایمان نہیں لائے بدستور یہودی ہیں۔ اس لئے آیت مجیدہ (4/159) کا مذکورہ بالا مروجہ روایتی ترجمہ اور مفہوم مطلقاً" غلط ہے۔

پھر جب بعض مفسرین کو مذکورہ مشاہدے نے مجبور کیا تو آیت زیر بحث (4/159) کا مفہوم مذکورہ حدیث کے خلاف اخذ کیا۔ انہوں نے **موته** کی ضمیر مسیح کی بجائے اہل کتاب کی طرف پھیری' جو صحیح ہے۔ کیونکہ یہ ضمیر فی الحقیقت اہل کتاب ہی کی طرف پھرتی ہے۔ نیز واضح رہے کہ **ليؤمنن به** میں آمدہ ہ کی ضمیر ماقبل مذکور مسیح کی طرف بھی پھر سکتی ہے اور ماقبل مذکور **بل رفعه الله اليه** میں مذکور رفع کی طرف بھی پھر سکتی ہے۔ یہ اس لئے کہ آیت زیر بحث کے سیاق میں مذکور ہے۔ **ما قتلوه و ما صلبوه** ...... **و ما قتلوه يقينا**"۔ **بل رفعه الله اليه**۔ (4/158-157) صحیح قرآنی منشاء کے مطابق **ليؤمنن** کی ضمیر عقیدہ صلیب کی طرف پھرتی ہے۔

آیت مجیدہ کا صحیح مفہوم تو آگے آرہا ہے۔ یہاں اس امر کی وضاحت مطلوب ہے کہ وہ مفسرین جو مشاہدات کی مخالفت سے بچنے کیلئے بخاری شریف کی روایت کے خلاف مفہوم لینے پر مجبور ہوئے وہ بچارے۔ **يوم القيمة يكون عليهم شهيدا**"۔ کی مطابقت سے محروم ہوگئے کہ اپنی اپنی موت سے پہلے ایمان لانے والے اہل کتاب پر قیامت کے دن مسیح گواہ ہونگے۔ لیکن انہیں چونکہ آج تک آسمان پر زندہ مانا گیا ہے۔ اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہیں کیا خبر کہ زمین پر کون کون سا اہل کتاب ان پر ایمان لایا ہے۔ کیا وہ آسمان پر عالم الغیب بھی ہوچکے ہیں؟ حالانکہ سورہ مائدہ میں صاف کہا گیا ہے کہ وہ قیامت کو اس سوال کے جواب میں کہ کیا تو نے اپنی امت کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے ساتھ دوالہٰ اور بنا لو۔ تو آپ کہیں گے۔ **كنت عليهم شهيدا ما دُمتُ فيهم**۔ (5/117) میں ان پر گواہ اس وقت تک تھا' جب تک میں ان کے اندر موجود تھا۔ **فلما توفيتنى كنت انت الرقيب عليهم**۔ (5/117) پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو پھر تو ہی ان کا نگران تھا۔ (میں عالم الغیب نہیں کہ مجھے وفات کے بعد حالات معلوم ہوں۔)

عیسیٰ مسیح کے صرف دو زمانے: دیکھئے اس آیت مجیدہ (5/117) میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن خود مسیح اپنی زندگی کے دو ہی زمانوں کا ذکر کریں گے۔

اپنی موت سے پہلے دنیوی زندگی کا زمانہ جس میں آپ امت پر نگران رہے۔ (**مادمت فيهم**) اور موت کے بعد

کا زمانہ (**فلما توفیتنی**) جس میں آپ کو خبر نہیں تھی کہ ان کی وفات کے بعد ان کی امت نے انہیں اور ان کی ماں کو اللہ کے ساتھ ملا کر تین اِلٰہ بنا لئے ہیں۔ حالانکہ عقیدہ نزول کے مطابق مسیحؑ کو ذیل کے چار زمانوں کا ذکر کرنا چاہیے تھا۔

1- آسمان پر اٹھائے جانے سے پہلے کا زمانہ 2- آسمان پر رہنے کا زمانہ

2- آسمان سے نزول کے بعد کا زمانہ 4- اور پھر موت کے بعد کا زمانہ

اور ان چاروں زمانوں میں سے انہیں یہ کہنا چاہیے کہ نہ میں آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد آسمان پر رہنے کے زمانہ کا ذمہ دار ہوں اور نہ موت کے بعد کے زمانے کا۔ لیکن چونکہ آپ نے صرف دو زمانوں موت سے قبل اور موت کے بعد کا ذکر کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ کے متعلق رفع الی السماء کا نظریہ ہی غلط ہے کیونکہ اگر وہ ایک طویل عرصہ آسمان پر رہے ہوں تو ان اہل کتاب پر جو اس طویل عرصہ میں ایمان لائے۔ آپ ان پر کس طرح گواہ ہوسکتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ بخاری شریف کی روایت کو اس آیت (4/159) کے ساتھ کوئی تعلق واسطہ نہیں اور نہ اس آیت کو مذکورہ حدیث سے کوئی سروکار ہے۔ عجمی راویوں نے ابوہریرہؓ کے نام سے اس آیت کے مفہوم کو غتربود کرنے کیلئے خواہ مخواہ قرآن کے مخمل میں روایت کا پیوند لگا کر قرآنی آیت کے ساتھ اپنی **منگھڑت** اور صد فیصد وضعی حدیث کا جوڑ لگا دیا ہے۔

نوٹ : آیت مجیدہ (4/159) سے نزول مسیحؑ کا نظریہ اخذ کرنے پر ذیل میں مسلسل تنقید کی جاتی ہے۔ بغور ملاحظہ فرمائیں۔

تنقید اول : جب قرآن کریم میں مسیح علیہ السلام کے نزول کا کوئی ذکر نہیں نہ ہی اس آیت کے سیاق و سباق میں کہا گیا ہے کہ مسیحؑ آسمان سے نازل ہونگے تو اس آیت سے نزول مسیحؑ کا استدلال کرنا قرآن فہمی نہیں کہلا سکتا بلکہ اسے قرآن کریم پر اضافہ ضرور کہا جاسکتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ نزول مسیحؑ کا عقیدہ پہلے سے قائم کرلیا گیا ہے اور پھر قرآن کریم سے اس خود ساختہ عقیدہ کی تائید حاصل کرنے کیلئے آیات قرآنیہ میں تحریف کی سعی نامشکور کی گئی ہے۔

تنقید دوئم : جب قرآن کریم کی اس آیت کے سیاق و سباق میں نزول مسیحؑ کا مطلقاً" کوئی ذکر نہیں تو پھر کیسے معلوم ہوا کہ **قبل موتہ** سے مراد مسیحؑ کی وہ موت ہے جو نزول کے بعد وقوع میں آئے گی؟

تنقید سوئم : جیسا کہ اوپر بتایا جاچکا ہے کہ آیت مجیدہ کے الفاظ **ان من اهل الكتب** میں حصر ہے جو خود ساختہ عقیدہ نزول کے مطابق مسیحؑ کا عقیدہ آیت مجیدہ میں آمدہ **ان من اهل الكتب** کے حصر کے خلاف ہونے کی بدولت غلط اور صد فیصد باطل ہے۔ ذیل میں حصر کی مثال پیش کی جاتی ہے جس سے **واضح** ہو جائے گا کہ حصر کیا ہوتا ہے۔ مثلاً "اہل اسلام میں کوئی نہیں ہوگا جو توحید پر ایمان نہ رکھتا ہو" کے جملہ میں **حصر ہے۔ متکلم کی مراد** یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو مسلم معاشرہ کا فرد ہے' توحید پر ضرور ایمان رکھتا ہے۔ اگر کوئی شخص توحید پر ایمان نہیں رکھتا تو وہ مسلم معاشرہ کا فرد نہیں ہوسکتا۔ یعنی توحید کے عقیدہ کا آغاز ہوا جو مسلم معاشرہ میں قیامت تک رہے گا۔ اس میں انقطاع نہیں آئے

گا۔ اسے حصر کہتے ہیں۔ اس لئے آیت مجیدہ کی ایسی تشریح ہونی چاہیے جو ان اہل کتاب پر صادق آئے جو عہد نبویؐ میں موجود تھے اور ان پر بھی جو عہد نبویؐ سے پہلے موجود تھے۔ کیونکہ اس عقیدہ کا آغاز کہ مسیحؑ مصلوب ہوچکے ہیں' یقیناً" عہدہ نبویؐ سے پہلے ہوچکا تھا' جس پر قرآن شاہد ہے۔ پھر اس میں لازماً" انقطاع نہیں آنا چاہیے اور یہ عقیدہ اہل کتاب میں قیامت تک موجود رہنا چاہیے۔ لیکن نزول مسیحؑ کو ماننے سے حصر کا عموم زائل ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس تشریح سے (جسے تشریح کہنا ہی غلط ہے) صرف وہ اہل کتاب مراد ہوسکتے ہیں کہ اگر فرضی نزول ہو جائے' تو جو اس وقت موجود ہونگے حالانکہ متکلم کی مراد یہ ہرگز نہیں۔ جیسا کہ قرآنی الفاظ **و ان من اهل الكتب الا ليؤمنن به** کے حصر سے ظاہر ہے کہ "نہیں ہوگا اہل کتاب میں سے کوئی فرد جو مسیحؑ کے مصلوب ہونے پر ایمان نہ لائے۔" چونکہ یہ حصر **قبل موته** کی ضمیر کو مسیحؑ کی طرف پھیرنے سے ٹوٹ جاتا ہے اور عموم میں خصوص پیدا کرنا پڑتا ہے' یعنی وہ اہل کتاب مراد لینے پڑتے ہیں جو مسیحؑ کی موت سے پہلے کے ہونگے' اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حصر کے عموم میں تخصیص پیدا کرلی جائے تو پھر تشریح اور تحریف میں کیا فرق ہوا؟

تنقید چہارم: پھر حصر یہ ہے کہ سب کے سب اہل کتاب یہودی ایمان لے آئیں گے' لیکن اول تو کروڑوں یہودی نزول سے پہلے وفات پاچکے ہونگے' وہ مسیحؑ پر کس طرح ایمان لائیں گے۔ پھر قرآن مجید نے صاف بتا دیا ہے کہ مسیحؑ کے منکر یہودی قیامت تک رہیں گے۔ (3/54) پس سب کے سب اہل کتاب یہودیوں کا ایمان لانا نص صریح کے خلاف باطل ہے۔ کیونکہ اس سے آیات قرآنیہ میں تعارض لازم آتا ہے۔ حالانکہ (4/82) کے مطابق قرآن مجید میں تضاد و تخالف کا گزر تک موجود نہیں۔

تنقید پنجم: پھر اہل کتاب یہودیوں کا مسیحؑ پر ایمان لانا بے معنی ہے کیونکہ اگر مسیحؑ کا نزول فرض بھی کرلیا جائے تو رسول اکرمؐ کی بعثت کے بعد سب لوگوں کو نبی اکرمؐ پر ایمان لانا فرض ہے۔ اس طرح مسیحؑ پر ایمان لانے کے معنے یہ ہوئے کہ نزول کے بعد کے وقت کے نبی مسیحؑ ہونگے' کیونکہ ایمان نبی پر لایا جاتا ہے' غیر نبی پر ایمان لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حالانکہ عام عقیدے کے مطابق مسیح کو مجدد یا حاکم عادل بتایا گیا ہے نبی نہیں۔ پھر ان پر ایمان لانے کے کیا معنے؟ —— پھر جو یہودی مسیحؑ پر ایمان لائیں گے۔ (4/159) میں لکھا ہے کہ مسیحؑ ان پر گواہ ہونگے۔ گویا کہ امت محمدیہ کے ایک بڑے حصے پر جو مسیحؑ کے فرضی نزول کے بعد ان کے ذریعہ ایمان لائے گا' ان پر شہید رسول اکرمؐ نہیں بلکہ مسیحؑ ہونگے۔ حالانکہ اپنی امت پر نبی اکرمؐ کو شہید بتایا گیا ہے۔ ہر امت پر اس کا نبی شہید ہوگا۔ پس مسیحؑ اپنی امت پر بھی شہید ہونگے اور نبی اکرمؐ کی امت پر بھی' دیکھا آپ نے! کہ مسئلہ نزول مسیحؑ کی زد کہاں کہاں پڑ رہی ہے؟

تنقید ششم: نزول قرآن کے بعد کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ رسالت محمدیؐ پر ایمان نہ لائے۔ اس لئے اگر یہودی حضرات بالفرض مسیحؑ پر ایمان لے بھی آئیں تو پھر بھی وہ مومن نہیں ہوسکتے۔ پس ان کا مسیحؑ پر ایمان لانا بے معنے ہوگا۔ پھر اگر وہ رسول اکرمؐ پر ایمان لے آئیں تو مسیحؑ بھی نبی ثابت ہونگے امتی

نہیں' کیونکہ قرآن ان کی نبوت پر گواہ ہے۔

تنقید ہفتم: واضح رہے کہ مسیحؑ یہودیوں پر شہید نہیں ہوسکتے کیونکہ **کنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم** (117/5) کے مطابق آپ نصاریٰ پر شہید ہوسکتے ہیں۔ پس ان تمام تصریحات کے مطابق روز روشن کی طرح ثابت ہوا کہ آیت زیر بحث (4/159) سے نزول مسیحؑ کا استدلال کرنا مطلقاً" بے بنیاد ہے۔

آیت مجیدہ کا صحیح مفہوم: آیت مجیدہ **و ان من اھل الکتب الا لیئومنن بہ قبل موتہ و یوم القیمۃ یکون علیھم شھیدا**۔ (4/159) کا وہ معنی اور مفہوم جو نہ مذکورہ بالا تنقیدات کی زد میں آتا ہے' نہ قرآن کریم میں اختلاف پیدا کرتا ہے' نہ نبوت محمدیہ سے متعارض ہوتا ہے اور نہ مشاہدات کے خلاف جاتا ہے' وہ بالکل آسان ہے۔ صرف سیاق کلام اور عالمی مشاہدات کو مدنظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ چونکہ مشاہدات یہ ہیں کہ اگر مسیحؑ کو آسمان پر زندہ مانا جائے تو **قبل موتہ** کا زمانہ تاحال جاری ہے اور قرآنی **پیشگوئی** کے مطابق سب اہل کتاب یہودیوں کا مسیحؑ پر ایمان لانا لازم ٹھہرتا ہے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہو رہا۔ کروڑوں یہودی ہماری آنکھوں کے سامنے مسیحؑ کے منکر موجود ہیں۔ جس سے کھل کر ثابت ہوا کہ آیت مجیدہ میں جس حصر کا ذکر ہے' اس کا مفہوم ہرگز یہ نہیں کہ مسیحؑ کی موت سے پہلے سارے اہل کتاب یہودی ضرور ضرور مسیحؑ پر ایمان لے آئیں گے۔

پھر آیت مجیدہ (4/159) کے سیاق میں عقیدہ صلیب مسیحؑ کا تذکرہ ہے' جسے عیسائیوں نے اپنے گناہوں کا کفارہ ٹھہرا لیا ہوا ہے اور مشاہدہ کے مطابق ہر مسیحی موت کے آخری دم تک اس عقیدہ پر قائم رہتا ہے کہ مسیح مصلوب ہوکر ہمارے گناہوں کا کفارہ بن چکے ہیں۔ اس لئے آیت مجیدہ کے سیاق اور عالمی مشاہدہ کے مطابق لازم ہے کہ آیت مجیدہ میں آمدہ **لیئومنن بہ** کی ضمیر کو ماقبل مذکور عقیدہ صلیب مسیحؑ ہی کی طرف پھیرا جائے اور **قبل موتہ** کی ضمیر کو اہل کتاب کے ایک ایک فرد کی طرف پھیرنا لازم قرار دیا جائے۔ نیز مشاہدات کے مطابق اہل کتاب سے مراد صرف نصاریٰ ہیں جو صلیب مسیحؑ کے کفارہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس آیت مجیدہ کا سیدھا سادہ مفہوم یہ ہے کہ

"نہیں ہوگا اہل کتاب نصاریٰ میں سے کوئی فرد جو اپنی موت سے پہلے (ہر ساعت) کے صلیب مسیحؑ پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ حالانکہ مسیحؑ قیامت کے دن ان کے خلاف گواہی دیں گے (کہ نہ وہ صلیب ہوئے تھے اور نہ ہی وہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہیں۔)

قبل موتہ سے مراد ہے ہر وقت' ہر ساعت: واضح رہے کہ **قبل موتہ** کا مفہوم جو تصریف آیات قرآنیہ سے ثابت ہے وہ ہے کسی عقیدہ پر دوام جیسے کہ تفسیر القرآن بالقرآن کے آیات ذیل سے عیاں ہے۔

وَ اَنۡفِقُوۡا مِنۡ مَّا رَزَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ (63/10) اور جو مال تمہیں ہم نے عطا فرمایا ہے' اس میں سے اس وقت سے پہلے خرچ کرو کہ تم میں سے کسی پر موت آجائے ----- یہاں خط کشیدہ الفاظ کے دوسرے لفظوں میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔ **من قبل موتکم**۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ زور کلام اس چیز پر ہے کہ اللہ کا دیا ہوا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں عجلت کرو۔ کیونکہ موت کا وقت تو کسی کو معلوم نہیں۔ مغفرت

کے کاموں میں عجلت کرنا حکم باری تعالیٰ ہے۔ **سَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ** (3/133) تم سب اپنے رب کی طرف مغفرت کی طرف جلدی کرو۔ یہاں **سارعو** کا لفظ **قَبْلَ مَوْتِہٖ کُمْ** کا مترادف ہے۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ (3/102) ایمان والو! اللہ کی مخالفت سے اس طرح بچو جو بچنے کا حق ہے اور دیکھو مرنا مت' مگر اس حالت میں کہ تم اسلام پر **ثابت قدم** رہو۔ سورہ بقرہ میں آیا ہے۔

یٰبَنِیَّ ان اللہ اصطفیٰ لکم الدین فلا تموتن الا و انتم مسلمون۔ (2/132) (حضرت یعقوبؑ نے وصیت فرمائی) اے میرے بیٹو! بیشک اللہ نے تمہارے لئے دین اسلام پسند فرمایا ہے۔ پس تم نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم اسلام پر **ثابت قدم** رہو ------ ان دونوں آیتوں میں **فلا تموتن** کا وہی مفہوم ہے جو (4/159) میں **قبل موتہ** یا **من قبل موتکم** کا ہے۔ یعنی تاکید کی گئی ہے کہ تقویٰ اور اسلام پر جلدی کرو اور ان پر اس طرح علی الدوام قائم رہو کہ تمہارا خاتمہ اسلام پر ہو۔ زندگی کی کوئی ساعت اسلام سے غفلت میں نہ گزرے۔ کیونکہ تمہیں کیا معلوم کہ موت کی گھڑی کس وقت سامنے آموجود ہو۔

پس صاف ظاہر ہے کہ ان آیتوں کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم موت کا انتظار کرو اور جب مرنے لگو تو اسلام لے آؤ اور تقویٰ اختیار کرو ------ مسلمانوں کا مرتے وقت سورہ یٰسین سن لینا یا عیسائیوں کے مرتے وقت پادری کا اقرار صلیب کرا لینا کافی نہیں۔ بلکہ زندگی کے ہر لمحہ میں مسلمانوں کا قرآن کریم پر مکمل ایمان مقصود ہے اور آیت مجیدہ میں عیسائیوں کے ایک ایک فرد کا زندگی کے ہر لمحہ میں صلیب مسیح پر دائمی ایمان رکھنے کی خبر دی گئی ہے۔ واضح رہے کہ قبل الموت کا محاورہ کلام میں تاکید' دوام اور زور پیدا کرنے کیلئے استعمال ہوا ہے۔ بتایا یہ جا رہا ہے کہ صلیب مسیح کا عقیدہ اہل کتاب عیسائیوں کے مذہب کا اس قدر لازمی جز بن چکا ہے کہ اس کے ضمن میں دوام کی حالت یہ ہے کہ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ بھی اس عقیدہ پر ایمان رکھے بغیر نہیں گزرتا۔

عقیدہ کی اہمیت: جس طرح مسلمان ایک ملت ہیں' اسی طرح تین خداؤں اور کفارہ صلیب پر ایمان رکھنے والے بھی ایک ملت ہیں جس طرح مسلمان راسخ العقیدہ ہیں اسی طرح ہر کافر' مشرک کو بھی اپنا عقیدہ انتہائی محبوب ہوتا ہے۔ **کل حزب بمالدیھم فرحون۔** (30/32) شبانہ روز کا مشاہدہ یہ ہے کہ مشرک و کافر بھی اپنے عقیدے پر جان چھڑکتے ہیں۔ جس طرح مسلمان' اللہ کے حضور سجدہ ادا کرکے ذہنی سکون حاصل کرتا ہے اسی طرح **بت پرست**' بت کے سامنے ماتھا ٹیک کر فرحت محسوس کرتا ہے۔ پھر کفر و شرک تو سراسر تقلید آباء اور جمود پر مبنی ہے۔ اس میں پختگی' ایک لازمی امر ہے۔ ہر بچے کی پیدائش ہی سے اس کی تربیت خانگی ماحول و عقائد میں ہوتی ہے۔ چنانچہ عیسائی بچہ آنکھ کھولتے ہی کفارہ صلیب کو ماں باپ سے ورا ثتاً" حاصل کرتا ہے۔ پھر بڑا اور باشعور ہوکر بھی جب تک عیسائی رہتا ہے کفارہ صلیب پر ہر آن ایمان رکھتا ہے۔ اسی چیز کو آیت مجیدہ (4/159) میں اجاگر کیا گیا ہے۔

کفارہ کی نفی: آیت مجیدہ (4/159) کے آخر میں کہا گیا ہے۔ **و یوم القیمۃ یکون علیھم شھیدا۔** اور قیامت کے دن مسیح ان پر گواہ ہوگا۔ (یعنی عیسائی اپنی بخشش کیلئے حضور الٰہی میں حاضر ہونگے تو اس وقت مسیح ان کے

خلاف گواہی دیں گے۔) تفسیر القرآن بالقرآن، تصریف آیات کے ذریعہ اس مسلمہ کی وضاحت آیت ذیل میں بھی ملاحظہ فرمائیں۔

و اذ قال اللّٰہ یعیسی ابن مریم انت قلت للناس اتخذ و نی و امی الٰھین من دون اللّٰہ۔ (5/116) وہ دن قابل ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ ابن مریمؑ کو کہے گا کیا تو نے لوگوں (عیسائیوں) کو کہا تھا کہ اللہ کے ساتھ مجھے اور میری ماں کو دو الٰہ اور بنا لو۔ وہ کہیں گے۔

قال سبحنک ما یکون لی ان اقول ما لیس لی بحق۔ (5/116) مسیحؑ کہیں گے کہ تو ہر قسم کے عیوب سے پاک ہے۔ مجھے یہ لائق نہیں کہ میں وہ کہوں جس کا مجھے حق حاصل نہیں۔ **ما قلت الا ما امر تنی به اعبدوا اللّٰہ ربی و ربکم و کنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم۔** (5/117) میں نے انہیں وہی کہا تھا جو تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ ہی کا حکم مانو۔ جو میرا اور تمہارا ایک جیسا رب ہے اور جب تک میں ان میں رہا، اس وقت تک میں ان کا نگران تھا۔

مسئلہ حیات مسیحؑ اور فلما توفیتنی کی بحث: (5/117) میں اس سے آگے ہے۔ **فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم و انت علی کل شئی شھیدا۔** (5/117) پھر جب تو نے مجھے فوت کر دیا تو تو ہی ان کا نگران تھا۔ کیونکہ تو ہی ہر چیز کا صحیح صحیح گواہ ہے ...... اب غور فرمائیں کہ **کنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم** کا واضح مفہوم یہ ہے کہ میں جب تک ان میں رہا، (یعنی جب تک زندہ رہا) اس وقت تک میں ان کا نگران تھا اور **فلما توفیتنی** پھر جب تو نے مجھے فوت کر دیا تو ان کا حال تجھے ہی معلوم ہے۔ **مادمت فیھم** یعنی جب تک میں ان میں رہا۔ خط کشیدہ الفاظ کے متبادل الفاظ سورہ مریم میں **ما دمت حیا۔** (10/31) آئے ہیں، جب تک میں زندہ رہوں ...... تو اب بصورت نصف النہار ثابت ہوا کہ جب **ما دمت فیھم** کے بعد آیا ہے۔ **فلما توفیتنی** تو اس کا معنی صاف ظاہر ہے۔ "جب تو نے مجھے فوت کر دیا" کیونکہ زندگی کی ضد موت ہے۔ آسمان پر اٹھانا نہیں۔

اس آیت مجیدہ (5/117) سے ثابت ہے کہ مسیحؑ کی امت ان کی زندگی میں وحدت باری ہی کے عقیدہ پر قائم رہی۔ مگر ان کی وفات کے بعد عیسائیوں نے ان کی طرف خدائی صفات منسوب کر کے انہیں اور ان کی والدہ کو اِلٰہ ٹھہرا لیا۔ حالانکہ آپ نے اپنا تعارف **انی عبد اللّٰہ** کہہ کر پیش کیا اور خود کہا۔ **و اوصنی بالصلوہ والزکوہ ما دمت حیا۔** (10/31) میں اللہ کا بندہ ہوں (اِلٰہ نہیں) اس نے مجھے اس وقت تک صلوۃ اور زکوۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ رہوں۔ پس ان آیات کریمات سے ثابت ہے کہ مسیحؑ کی زندگی میں ان کی تعلیم میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ ان کی وفات کے بعد ان کی امت نے انہیں بندوں کے زمرہ سے خارج کر کے اللہ کے ساتھ اِلٰہ قرار دے لیا تھا۔

فلما توفیتنی سے وفات مسیحؑ ثابت ہے: اوپر کی بحث سے سیاق کلام اور قرآنی تصریف آیات کے ساتھ ثابت کیا جا چکا ہے کہ **فلما توفیتنی** کا صحیح قرآنی مفہوم یہ ہے کہ "پھر جب تو نے مجھے فوت کر دیا۔" انہی معنوں کی تائید بخاری شریف کی حدیث ذیل سے بھی ہوتی ہے۔ بخاری شریف مترجم نشر کردہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی کی جلد دوم کے صفحہ 770 سطر 6 پر لکھا ہے۔

"ابن عباس سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اکرمؐ نے کہ قیامت کے دن چند آدمی میری امت کے لائے جائیں گے اور فرشتے ان کو دوزخ کی طرف لے چلیں گے تو میں عرض کروں گا کہ اے رب یہ تو میرے صحابی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں، مگر تم کو معلوم نہیں کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا کیا کام کئے۔ اس وقت میں عیسیٰؑ کی طرح عرض کروں گا۔ **و کنت علیهم شهید مادمت فیهم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیهم۔** اور میں ان پر اس وقت تک نگران تھا، جب تک کہ میں خود ان میں موجود تھا۔ (زندہ تھا) پھر جب تو نے مجھے فوت کر دیا تو ان کا نگران تو تھا۔ (وفات کے بعد مجھے کیا خبر کہ یہ لوگ کیا کرتے رہے تھے۔)

دیکھئے! اس حدیث میں **فلما توفیتنی** کے قرآنی الفاظ نقل کئے گئے ہیں اور ان کا معنی بھی ٹھیک لکھا ہے "جب تو نے مجھے فوت کر دیا" پس جس طرح اس حدیث میں **فلما توفیتنی** سے نبی اکرمؐ کی وفات مراد ہے، آسمان پر اٹھانا مراد نہیں۔ اسی طرح اصل آیت مجیدہ (5/117) میں جو مسیحؑ کا قول نقل کیا گیا ہے۔ **فلما توفیتنی** اس کا معنی بھی صاف ہے کہ "جب تو نے مجھے فوت کر دیا۔" اس کے بعد کا حال مجھے معلوم نہیں۔ پس اس آیت مجیدہ (5/117) سے ثابت ہے کہ مسیح فوت ہو چکے ہیں۔ آسمان پر نہیں اٹھائے گئے۔

تعجب ہے کہ جب **فلما توفیتنی** بخاری شریف میں آتا ہے تو اس کا معنی لیتے ہیں، "جب تو نے مجھے فوت کر دیا۔" اور جب وہی **فلما توفیتنی** قرآن میں آتا ہے، جسے حدیث میں حوالتہ" نقل کیا گیا ہے تو اس کا معنی لیتے ہیں "جب تو نے مجھے آسمان پر اٹھا لیا۔" **العجب! ثم العجب!** حقیقت یہ ہے کہ آیت اور روایت دونوں کے واحد مضمون پر مشاہدہ گواہ ہے جسے ہرگز جھٹلایا نہیں جاسکتا کہ مسیحؑ اور نبی اکرمؐ دونوں کی امتوں نے ان کی وفات کے بعد ہی ان کی تعلیم کو بگاڑا، جس کا دونوں کو کوئی علم نہیں۔ لیکن اس کے برعکس اگر (5/117) میں **فلما توفیتنی** سے آسمان پر اٹھانا مراد لیا جائے تو بخاری شریف کی حدیث میں بھی یہی معنی لیا جانا لازم ہے اور اس سے یہ نظریہ قائم کرنا ہوگا کہ نبی اکرمؐ بھی مسیحؑ کی طرح آسمان سے نازل ہونگے اور جس طرح مسیحؑ کی وفات نزول کے بعد ہوگی، اسی طرح آپ کی بھی نزول کے بعد وفات ہوگی۔ اس وقت دونوں آسمان پر زندہ ہیں۔ **فاعتبرو یا ولی الابصار۔**

پھر اگر اہل روایات بخاری شریف کی مذکورہ روایت کو وضعی ٹھہرا دیں تو پھر بھی **توفی** کے مفہوم میں کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ تصریف آیات، تفسیر القرآن بالقرآن سے بھی **توفی** کا معنی وفات ہی ثابت ہے۔ زندہ آسمان پر اٹھانا نہیں۔ (39/42 + 22/5 + 16/70 + 4/15 + 2/234 + 12/101 + 7/126 + 3/193) ان آیات سے **توفی** کا مفہوم روز روشن کی طرح وفات ثابت ہے۔ قارئین کرام ایک ایک آیت ملاحظہ فرما کر تسلی کرسکتے ہیں۔ ہم صرف چند آیتیں نمونہ" پیش کرتے ہیں۔

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا۔ (12/10) کا معنی ہے مجھے مسلمان ماریو (نہ کہ آسمان پر اٹھائیو۔)

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ۔ (16/70) اللہ تمہیں پیدا کرتا ہے پھر تمہیں فوت کر دیتا ہے۔ (آسمان پر نہیں اٹھا لیتا)

يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ۔ (4/15) انہیں فوت کر دے موت دے دے (نہ کہ آسمان پر اٹھا لے) وغیرہ وغیرہ۔

کیا مسیح" جھوٹی گواہی دیں گے؟ : عقیدہ نزول مسیحؑ کے مطابق مسیحؑ کی حالت یہ ثابت ہوتی ہے کہ جب

آسمان سے نازل ہونگے تو بچشم خود دیکھ لیں گے کہ ان کی امت نے انہیں اور ان کی ماں کو اللہ کے ساتھ ملا کر دوالٰہ اور ٹھہرا لئے ہوئے ہیں۔ تو اس طرح ان کی قیامت (5/117) والی گواہی کہ مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے مجھے اور میری ماں کو الٰہ ٹھہرا رکھا ہے' جھوٹی ثابت ہوتی ہے۔ کیا آپ معاذ اللہ نزول کے بعد کی چشم دید شہادت کو چھپالیں گے اور **لا تکتموا الشهادة** (2/283) کی بغاوت کے مصداق ٹھہریں گے؟ پس ظاہر ہے کہ جس عقیدہ کی زد اللہ کے برگزیدہ نبی کی صداقت و دیانت پر پڑتی ہے' وہ مطلقاً" غلط اور منگھڑت ہے۔ نہ مسیح آسمان پر زندہ ہیں نہ دوبارہ آئیں گے نہ اپنی امت کی حالت دیکھیں گے اور نہ قیامت کو چشم دید واقعات کے خلاف جھوٹی گواہی دیں گے بلکہ آپ جملہ انبیاء کی مانند فوت ہو چکے ہیں۔ انہیں کوئی علم نہیں کہ ان کی امت کیا کر رہی ہے۔ قیامت کو بالکل سچی گواہی دیں گے کہ بار الہا! میں اس وقت تک ان کا نگران تھا جب تک ان کے اندر زندہ موجود تھا۔ میری وفات کے بعد ان کا نگران تو تھا۔ (5/117)

فلما توفیتنی کے قرآنی معنوں کی ایک اور دلیل : علماء کرام نے (5/117) میں جو **فلما توفیتنی** کا مطلب لیا ہے۔ "پھر جب تو نے مجھے آسمان پر اٹھا لیا۔" اس کے بطلان کی مزید قرآنی دلیل ملاحظہ فرمائیں کہ علماء کرام نے (4/158) میں **بل رفعه الله الیه** کا بھی یہ مطلب لیا ہے۔ "بلکہ اللہ نے مسیح کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔" ان دونوں آیتوں سے ثابت ہے کہ علماء کے نزدیک **توفی** اور رفع مترادف الفاظ ہیں اور دونوں کا مطلب ان کے نزدیک آسمان پر اٹھانا ہے مگر (3/55) میں یہ دونوں الفاظ اکٹھے آئے ہیں۔ **انی متوفیک و رفعک الی**۔ اب ظاہر ہے کہ علماء کے معنوں کے مطابق ان الفاظ کا ترجمہ یہ بنتا ہے۔ (اے مسیح) بلاشبہ میں تجھے آسمان پر اٹھانے والا ہوں اور تجھے اپنی طرف آسمان پر اٹھانے والا ہوں ----- مکرر خط کشیدہ الفاظ کا مذکورہ بیجا تکرار' چونکہ الٰہی کتاب کے شایان شان نہیں' جو اسے کلام ربانی کے مقام سے گرا رہا ہے' اس لئے ثابت ہوا کہ علماء کرام جو **توفی** کا معنی آسمان پر اٹھا نا لیتے ہیں' مطلقاً" غلط ہے اور صحیح معنی وہ ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ وفات دینا۔ فوت کر دینا اور **انی متوفیک و رافعک الی** کا صحیح معنی یہ ہے کہ بلاشبہ میں تجھے فوت کرنے والا ہوں اور اپنے ہاں تیرا درجہ بلند کرنے والا ہوں۔ قیامت کے دارالجزا میں جملہ انبیاء کے ساتھ ساتھ مسیح بھی بلند درجہ کے حامل ہونگے۔ **توفی** کا معنی وفات کیلئے پچھلے صفحہ پر (3/113 + 7/129 + 12/101 + 2/234 + 4/15 + 16/70 + 22/5 + 39/42) برائے تفکر پیش کی گئی ہیں اور **توفی مسلما**" (12/101) کا ترجمہ بطور نمونہ پیش کیا گیا ہے کہ مجھے مسلمان ماریو (نہ کہ آسمان پر اٹھائیو۔)

مسئلہ ختم نبوت

کیا مسیحؑ نبی کی حیثیت سے نازل ہونگے؟ : نزول مسیح کے ضمن میں دو عقیدے چل رہے ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نبی کی حیثیت سے نازل ہونگے اور دوسرا یہ کہ آپ حاکم عادل کی حیثیت سے نازل ہونگے۔ اول الذکر عقیدے پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کن لوگوں کی طرف نبی ہو کر آئیں گے۔ قرآن کہتا ہے کہ آپ بنی اسرائیل

کی طرف رسول تھے۔ **و اذ قال عیسی ابن مریم یبنی اسرءیل انی رسول اللہ الیکم۔** (61/6) وہ وقت قابل ذکر ہے جب عیسیٰؑ ابن مریمؑ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں ----- لیکن اس کے برعکس رسول اکرمؐ کے متعلق ارشاد باری ہے۔

و ما ارسلنک الا کافۃ" للناس۔ (34/28) اور اے رسولؐ! نہیں بھیجا ہم نے آپکو' مگر آپ پوری نوع انسانی کیلئے کافی ہیں ---- پس اس آیت مجیدہ کے مطابق جب نبی اکرمؐ کے بعد کسی نبی کے آنے کی ضرورت ہی نہیں' آپؐ قیامت تک کیلئے کافی ہیں تو مسیحؑ کیا کرنے آئیں گے؟ نیز فرمایا۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا"۔ (5/3) آج زمانہ رسالت میں' میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا ہے۔ اس آیت سے بھی ثابت ہوا کہ دین کامل ہو چکنے کے بعد کسی نبی کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ پھر ارشاد ہوا ہے۔

و ما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔ (4/64) اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس لئے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے اور ساتھ ہی فرما دیا۔

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ و من تولی فما ارسلنک علیھم حفیظا"۔ (4/80) جس نے اس (کی) رسولؐ کی اطاعت کی۔ پس بلاشبہ اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو کوئی اس سے روگردانی کرے تو (اے رسولؐ) ہم نے آپ کو ان پر نگہبان (داروغہ 88/22) بنا کر نہیں بھیجا۔ ان آیتوں سے بھی ثابت ہے کہ آپؐ کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ پھر کھل کر اعلان کر دیا۔

ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللہ و خاتم النبین۔ (33/4) نہیں ہیں محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ ولیکن اللہ کے رسولؐ ہیں اور آپ وہ ہیں جن کے ساتھ نبیوں کی آمد ختم کر دی گئی ہے۔

تو اب غور طلب یہ امر ہے کہ: جب رسول اکرمؐ پوری نوع انسانی کی طرف رسولؐ ہیں۔ (34/28) اللہ کا دین کامل (5/3) اور محفوظ ہو چکا ہے۔ (15/9) نبی اکرمؐ کی اطاعت کو خالص اللہ کی اطاعت قرار دے دیا گیا ہے۔ (4/80) اور آپؐ کی ذات اقدس کے ساتھ نبیوں کی آمد ختم کر دی گئی ہے۔ (33/40) تو پھر اس کے بعد کسی نبی کے آنے کا تصور تک پیدا نہیں ہوتا' خواہ وہ نیا ہو یا پرانا۔ پھر مسیحؑ نبی اکرمؐ کی بعثت مبارکہ کے بعد بنی اسرائیل کی طرف رسول کس طرح ہو سکتے ہیں؟ جبکہ نبی اکرمؐ کو پوری نوع انسانی کیلئے رسولؐ بنایا گیا ہے۔ پس ان دلائل قاطعہ کے مطابق دوپہر کے سورج کی طرح ثابت ہوا کہ نزول مسیحؑ بحیثیت نبی کا نظریہ مطلقا" بے بنیاد اور باطل ہے۔ نیز چونکہ اس کی زد براہ راست نظریہ ختم نبوت پر پڑتی ہے۔ اس لئے یہ نظریہ تصور تک کے لائق بھی نہیں۔

کیا مسیحؑ حاکم عادل کی حیثیت سے نازل ہونگے: نزول مسیحؑ کے متعلق دوسرا نظریہ یہ ہے کہ آپ نبی کی حیثیت سے نہیں بلکہ حاکم عادل کی حیثیت سے نازل ہونگے۔ اس پر ذیل کے متعدد اعتراض وارد ہوتے ہیں۔

مسیحؑ سے کس جرم کی پاداش میں نبوت کا منصب عظیم چھین کر' آپ کو حاکم عادل کے مقام پر گرا دیا جائے گا؟ یعنی کس جرم میں انہیں صدر و سربراہ کے منصب سے گرا کر *Demote* کر کے محض قاضی یعنی مجسٹریٹ بنا دیا جائے

گا؟

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ انہیں مقام نبوت سے کھینچ کر حاکم عادل کے مقام پر کون لائے گا؟ اگر اس کا یہ جواب دیا جائے کہ اللہ تعالیٰ۔ تو اس اعلان عام قرآن مجید میں موجود ہے۔ **اللہ اعلم حیث یجعل رسلتہ** (6/124) اللہ خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کس کے سپرد کرے۔ پھر فرمایا کہ وہ بھولتا بھی نہیں۔ **و ما کان ربک نسیا**"۔ (64/19) چنانچہ مسیحؑ کو نبوت بھول کر نہیں دی گئی تھی کہ انہیں حاکم عادل کے عہدہ پر *Demote* کرکے غلطی کا ازالہ کیا جائے گا۔ العیاذباللہ! پھر فرمایا کہ وہ اپنے فیصلے کو بدلتا بھی نہیں۔ **ما یبدل القول لدی و ما انا بظلام للعبید۔** (50/29) میری طرف سے میرا فیصلہ بدلا نہیں جاتا اور نہ میں بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں' (کہ نبوت کے اعلیٰ منصب سے کھینچ کر حاکم عادل کے ادنیٰ درجے پر لے آؤں۔)

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ مسیحؑ کو نبوت کے مقام سے گرا کر حاکم عادل کے مقام پر *Demote* کرنے کے متعلق اگر یہ کہا جائے کہ انہیں رسول مقبولؐ نبی سے حاکم عادل بنا دیں گے تو یہ جواب شرک بد اماں ہے۔ جیسے کہ ارشاد باری ہے۔ **و لا یشرک فی حکمہ احدا**"۔ (18/26) اور وہ (اللہ) اپنے حکم میں کسی ایک کو بھی شریک نہیں کرتا ------ پس اس آیت کی رو سے کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ محمد رسولؐ اللہ اللہ کے حکم میں شریک ہوکر مسیحؑ کو منصب نبوت سے معزول کر دیں گے جبکہ نبی اکرمؐ سمیت انبیاء کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔ **عباد مکرمون۔ لا یسبقونہ بالقول و ھم بامرہ یعملون۔** (21/27-26) وہ اللہ کے واجب التکریم بندے تھے۔ وہ بات میں بھی اپنے خالق و مالک سے آگے نہیں بڑھتے تھے اور عمل کے لحاظ سے ان کا ہر قدم اللہ کے حکم کے مطابق اٹھتا تھا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ رسول مقبولؐ بھی جناب مسیحؑ کو نبوت کے اعلیٰ مقام سے گرا کر حاکم عادل کے ادنیٰ مقام پر نہیں لاسکتے۔ پس نظریہ نزول مسیحؑ اس قدر غلط ہے جو کسی بھی انداز سے قرآنی کسوٹی پر کسی پہلو بھی ہرگز ہرگز صحیح ثابت نہیں ہوتا۔

نظریہ نزول مسیحؑ کے خلاف ایک اور دلیل: مسیحؑ ایک روشن چراغ تھے۔ جنہوں نے ایک خاص ضرورت کے وقت بنی اسرائیل کے تاریک گھروں کو روشن کیا۔ (رسولا" الی بنی اسرائیل) لیکن رسول اکرمؐ آفتاب عالمتاب تھے۔ **(کافۃ للناس)** طلوع آفتاب کے بعد چراغ کی ضرورت نہیں رہتی۔ ایسا تو انسان بھی نہیں کرتا کہ طلوع آفتاب کے بعد چراغ جلا کر بیٹھ جائے۔ اللہ علیم و حکیم کی طرف کس طرح منسوب کیا جاسکتا ہے کہ پوری انسانیت کے رسول" آفتاب عالمتاب کو طلوع کرنے کے بعد پھر بنی اسرائیل کے رسول کا دیا جلا کر لے آئے۔ پھر اگر مسیحؑ آجائیں تو ختم نبوت کا نظریہ باطل ہو جاتا ہے کیونکہ نبی نبوت سے معزول نہیں ہوسکتا۔ پھر یہ کہنا بھی عجیب منطق ہے کہ مسیحؑ نبی تو ہونگے مگر نبوت کا کام نہیں کریں گے۔ (صرف روایت بخاری کے مطابق سوروں کو قتل کریں گے اور صلیب توڑ دیں گے) وہ اللہ بھی عجیب ہے جو نبی بھیجے گا مگر اس سے نبوت کا کام نہیں لے گا۔ اس سے سور قتل کرائے گا۔ العیاذباللہ! ------ پس صاف ظاہر ہے کہ اگر مسیحؑ آئیں گے تو نبی ہی بنکر آئیں گے اور نبی ہی کی حیثیت سے جزیہ کا حکم منسوخ کریں گے اور نظریہ ختم نبوت کا باطل کر دیں گے۔ اگر نظریہ ختم نبوت محض فرضی ہے تو ہزاروں نبی آتے رہیں۔ مگر جب نبی اکرمؐ کے بعد ختم نبوت ایک قرآنی حقیقت ثابتہ ہے تو صاف ظاہر ہے کہ کار نبوت ختم ہوچکا ہے۔ جس طرح کوئی نیا نبی نہیں آسکتا۔ اسی طرح کوئی پرانا نبی بھی جزیہ کے قرآنی حکم کو منسوخ کرنے

کیلئے ہرگز ہرگز نہیں آسکتا۔

مسیحؑ سے متعلقہ عقائد کا نقصان: اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ جن غیر قرآنی عقائد و تصورات نے اسلام کو نقصان پہنچایا ہے۔ ان میں نزول مسیح کا عقیدہ مخصوص اہمیت رکھتا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے عقیدہ نزول مسیح ہی سے فائدہ اٹھا کر مثیل مسیح کا دعویٰ کیا اور لاکھوں مسلمان اس پر ایمان لے آئے۔ پھر اسی عقیدہ کی بنا پر عیسائی نبی اکرمؐ پر عیسیٰ کی فضیلت ثابت کرتے ہیں اور خود مسلمانوں کی حالت بھی یہ ہے کہ نبی اکرمؐ کو جملہ انبیاء سے افضل ماننے کے باوجود غیر شعوری طور پر مسیح کو فضیلت دیتے ہیں۔ ذیل کے موازنہ ماخوذاز "رسول کریمؐ فی قرآن عظیم مرتبہ پیر زادہ شمس الدین صفحہ 66 تا 74" پر غور فرمائیں اور سوچیں کہ روایات نے کسے فضیلت دی ہے۔ نبی اکرمؐ کو یا عیسیٰ مسیح کو۔

مسیح کے متعلق عام مسلمانوں کے عقائد:-

(1) مسیح کی والدہ مکرمہ کو اللہ کی خاص قدرت سے خاوند کے بغیر حمل ہوا۔ (2) مسیح امر ربی سے یعنی نطفہ کے بغیر پیدا ہوئے۔ (3) مسیح بغیر باپ پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش ایک معجزہ تھی۔ (4) مسیح کو بچپن ہی میں کتاب اور نبوت مل گئی تھی۔ جیسے کہ **جعلنی نبیا"** (19/30) سے ثابت کیا جاتا ہے۔

خاتم النبینؐ کے متعلق عام مسلمانوں کے عقائد:-

(1) نبی اکرمؐ کی والدہ مکرمہ کو خاوند کے ذریعہ اللہ کی خاص قدرت کے بغیر حمل ہوا۔ (2) نبی اکرمؐ امر ربی سے نہیں، بلکہ نطفہ سے پیدا ہوئے۔ (3) نبی اکرمؐ باباپ پیدا ہوئے۔ آپؐ کی پیدائش معجزہ نہیں تھی۔ (4) نبی اکرمؐ کو چالیس برس تک کتاب و نبوت کا پتہ ہی نہیں تھا۔ جیسے کہ **ما کنت تدری ما الکتب و لا الایمان** (42/52) سے ثابت کیا جاتا ہے۔

نمبر (1) **جعلنی نبیا"** مسیح کا بلوغت اور عطا نبوت کے بعد کا قول ہے۔ ایام رضاعت کا نہیں۔

نمبر (2) **ما کنت تدری** الخ ...... (42/52) میں یہ بتایا گیا ہے کہ نبی اکرمؐ کے قلب اطہر، یعنی جس ظرف میں قرآن کریم نازل ہونے والا تھا، اسے بالکل خالی اور شفاف رکھا گیا تھا۔

(5) مسیح نے چمگادڑ وغیرہ پرندے بنائے۔ جیسے **و اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر۔** (3/49) سے ثابت کیا جاتا ہے۔ (6) مسیح نے جسمانی مردے زندہ کئے۔ جیسے **احی الموتٰی باذن اللہ** سے ثابت کیا جاتا ہے۔

(5) نبی اکرمؐ نے کوئی جانور نہ بنایا (ان کے لئے کسی آیت سے پرندے بنانا ثابت نہیں کیا جاتا۔) (6) نبی اکرمؐ نے کوئی جسمانی مردے زندہ نہیں کئے۔ (یعنی اس کا اذن آپ کو نہیں دیا گیا تھا۔)

نمبر (3-2) **اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر۔** (3/49) + **احی الموتٰی باذن اللہ** (3/49) متشابہ آیت کے الفاظ ہیں جس میں مذکورہ الفاظ بطور تشبیہ آئے ہیں۔ جن سے بنی اسرائیل کو غلامی کے کیچڑ سے نکالنا اور اللہ کے اذن (قانون 7/58) کے مطابق قومی زندگی دینا مراد ہے۔

(7) مسیح کو اتنا علم غیب تھا کہ لوگوں کو بتا دیتے تھے کہ تم نے فلاں چیز کھائی ہے اور تمہارے گھر میں فلاں چیز رکھی ہے' جیسے کہ **انبئکم بما تا کلون و ما تد خرون فی بیوتکم** (3/49) سے ثابت کیا جاتا ہے۔

(7) نبی اکرمؐ کو کوئی علم غیب نہیں تھا۔ جیسے کہ آیت ذیل سے ثابت ہے۔ **لو کنت اعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر۔** (7/188) اگر میں غیب جانتا تو اپنے لئے بہت سی بھلائی لے لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔

نمبر(1) **انبئکم بما تاکلون تا تدخرون** (3/49) بھی متشابہ آیت ہے اور مفہوم یہ ہے کہ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم جو مال کھاتے ہو وہ حلال ہے یا حرام اور گھروں میں جو اناج تم نے ذخیرہ کر رکھا ہے عوام کی بھلائی کیلئے ہے یا قحط ڈالنے کیلئے۔

(8) جب مسیح کے قتل کی تدبیریں ہو رہی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان پر اٹھا لیا۔ جیسے کہ **بل رفعہ اللہ الیہ۔** (4/158) سے ثابت کیا جاتا ہے۔ حالانکہ انہوں نے کبھی **رفعنی** کی دعا نہیں مانگی تھی۔

(8) جب نبی اکرمؐ کے قتل کی تدبیریں ہو رہی تھیں تو اللہ نے انہیں ہرگز آسمان کی طرف نہ اٹھایا۔ آپ کو ہجرت کرنی پڑی۔ حالانکہ آپ **رفعنی** کی دعا بھی مانگا کرتے تھے۔ (حدیث)

نمبر(2) **بل رفعہ اللہ الیہ۔** (4/152) بھی متشابہ آیت ہے اور مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے اپنے ہاں ان کے درجے بلند کئے۔

(9) مسیح دو ہزار سال سے **بجسد** عنصری آسمان پر رہ رہے ہیں۔ کیونکہ آپ کھانے پینے کے محتاج نہیں۔

(10) مسیح کے قول **فلما توفیتنی** (5/117) سے انہیں آسمان پر اٹھائے جانے کے معنی لئے جاتے ہیں۔ چنانچہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ **وہ** آج تک زندہ ہیں۔ دوبارہ آئیں گے۔ **ان کے** آنے پر روئے زمین کے تمام لوگ مسلمان ہو جائیں گے۔ (حدیث)

(9) نبی اکرمؐ معراج کی رات آسمان پر گئے مگر واپس چلے آئے کیونکہ آپؐ کھانے پینے کے محتاج تھے۔

(10) نبی اکرمؐ کے قول **فلما توفیتنی۔** (بخاری کتاب التفسیر) سے اس کے برعکس نبی اکرمؐ کو وفات دینا معنی لیا جاتا ہے۔ یعنی آپؐ فوت ہو چکے ہیں۔ آپؐ مدینہ منورہ میں عرصہ دراز سے مدفون ہیں۔ دوبارہ دنیا میں نہیں آئیں گے۔ آپؐ کی تبلیغ سے روئے زمین کے لوگ مسلمان نہ ہوئے۔

نمبر(3-4) **فلما توفیتنی** (5/117 + حدیث بخاری) دونوں جگہ مفہوم یہ ہے کہ جب تو نے مجھے وفات دے دی۔ نبی اکرمؐ اور حضرت مسیح دونوں وفات پا چکے ہوئے ہیں۔ **کل نفس ذائقۃ الموتہ**

اب غور فرمائیں کہ: مندرجہ بالا موازنہ میں بلاشبہ **مسیح کو** ایسی خود ساختہ فضیلتیں دی گئی ہیں جو عیسائیوں کو اہل اسلام میں عیسائیت پھیلانے میں **ففتھ** کالم یعنی خفیہ مسیحی مبلغوں کا کام دے رہی ہیں۔ عیسائی حضرات تو بائبل میں درج **مسیح کا نسب نامہ**" کے مطابق ایک انداز سے مسیح کو یوسف **نجار کا بیٹا** تسلیم کر جاتے ہیں۔ کاش کہ مسلمان قرآنی آیات محکمات کے مطابق **مسیح کو** باپدر تسلیم کرلیں تو انہیں **نبی اکرمؐ** پر دی گئی تمام **معنوی** فضیلتیں یکسر ختم ہو جاتی ہیں۔ ورنہ مسیح کو ایک **معجزاتی شخصیت** قرار دینے سے **غیر شعوری** طور پر **عیسائیوں** کے باطل نظریہ "**مسیح خدا کا بیٹا**" ہی

کی تائید ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ : اہل اسلام کے ان غیر قرآنی عقائد سے تبلیغ اسلام کو بے حد نقصان پہنچا ہے۔ کلمہ تو پڑھتے ہیں نبی اکرمؐ کا مگر فضیلت دیتے ہیں مسیحؑ کو۔ عیسائیوں نے ان عقائد کی بنیاد انجیل پر رکھی ہے۔ جو **یحرفون الکلم عن مواضعه** (4/46) کے مطابق محرف ہے۔ اس میں تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔ ہر ایڈیشن متعدد مقامات پر سابقہ ایڈیشن سے مختلف ہے۔ اس لئے قرآن کریم جو بلاشبہ غیر محرف اور صد فیصد محفوظ ہے۔ (15/9) اگر اس کے ماننے والے بھی مسیحؑ کے متعلق انجیل کے دیئے ہوئے عقائد کی تبلیغ کریں تو انہیں خود فیصلہ کرنا چاہیے کہ کیا وہ اسلام کی اشاعت کرتے ہیں یا عیسائیت کی۔ حالانکہ انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ **وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ۔** (11/113) اور نہ جھکنا ان کی طرف جنہوں نے ظلم کیا (غلط عقائد تراشے) ورنہ تمہیں عذاب کی آگ مس کرے گی اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا ------ واضح رہے کہ نظریہ ولادت بلا باپ کو چونکہ عبادات' اخلاقیات' معاملات' احکام اور دینی امور سے مطلقاً" کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے لا محالہ اسے عقائد ہی میں شمار کرنا ہوگا۔ چنانچہ مسلمان محض عقائد کی بنا پر مسیحؑ کے حمل کو کسی انسان کی بجائے اللہ کی قدرت کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ اللہ نے معجزانہ طور پر حمل گیا۔ عیسائی اسی اصول پر خدا کو مسیحؑ کا باپ قرار دیتے ہیں کہ جس نے حمل کیا وہی باپ ہے۔ گویا مسلمانوں کی کمی عیسائیوں نے پوری کی۔ مسلمان اتنا بھی نہیں سوچتے کہ عیسائیت کو تقویت پہنچا رہے ہیں۔

چنانچہ اس سے تبلیغ اسلام رک گئی اور عیسائیت کی اشاعت بڑھ گئی۔ عقلمندوں کیلئے غور کا مقام ہے کہ مسلمانوں کے عیسائیت نواز عقائد کی بدولت عیسائی مبلغ مسلمانوں کو عیسائی بنانے میں جلد کامیاب ہو جاتے ہیں۔ مگر مسلمان عیسائیوں میں دین اسلام کی تبلیغ کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے۔ چنانچہ پچھلے ہزار برس میں عیسائیوں کے سوا باقی اقوام میں تو اسلام پھیل سکا۔ مگر یورپ اور امریکہ میں اس لئے نہیں پھیلا کہ عیسائیوں کے عقائد اور مسیحؑ کی فضیلت تو خود مسلمان صدیوں سے تسلیم کر رہے ہیں۔ افسوس ہے کہ علماء روایات نے عیسائیوں کی مبالغہ آرائیوں کی تصدیق قرآنی آیات کی غلط تاویلات سے کر کے مسلمانوں کو خود عیسائیت کے دروازے پر لا کھڑا کیا ہے اور عیسائیوں نے اسی نظریہ روح القدس کی قدرت' بغیر شوہر حمل کے عقیدہ سے مسیحؑ کو خدا کا بیٹا ٹھہرا کر مسلمانوں کیلئے عیسائیت کا پھاٹک کھول رکھا ہے اور بہت سے مسلمانوں کو' جو مسیحؑ کے حمل بلا شوہر کے قائل تھے یہ کہہ کر عیسائی بنا لیا کہ جس نے حمل گیا' بیٹا اسی کا۔ پس مسیحؑ خدا کے بیٹے ہیں۔

پھر عیسائی مبلغ مسلمانوں کے غیر قرآنی عقائد ہی کی بدولت انہیں لاجواب کر دیتے ہیں۔ مثلاً" وہ کہتے ہیں کہ جب اللہ کا کلام انسانی کلام سے **افضل** ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اللہ کی طرف سے حمل' یعنی بغیر نطفہ کے پیدا شدہ مسیحؑ انسانی نطفہ سے پیدا شدہ رسول (محمدؐ) سے افضل نہ ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ مسیحؑ ایک غیر عموی **شخصیت** تھے مگر محمدؐ ایک عموی شخصیت تھے۔ اس لئے مسیحؑ ان سے افضل ہیں۔ بالفاظ دیگر وہ کھلے لفظوں میں کہتے ہیں کہ اہل اسلام کے اپنے عقیدہ مسیحؑ بے باپ کے مطابق مسیحؑ اللہ کا معجزہ تھے اور محمدؐ باپ کے ذریعے پیدا ہونے کی بدولت اللہ کا معجزہ نہیں تھے۔ لہذا افضل کو چھوڑ کر ادنیٰ پر ایمان کیوں لایا جائے۔ عیسائیوں کی اس منطق کا مسلمانوں کے پاس مطلقاً" کوئی

جواب نہیں جو انہوں نے تشابہ آیات قرآنیہ کی غلط تاویل کرکے خود تسلیم کر رکھی ہے۔

المختصر! : قرآنی آیات متشابہات کی غلط تاویل کے ذریعہ عیسائیوں کے عقائد ذیل کی تائید خود مسلمان کرتے ہیں۔ (1) مسیح کی بلا باپ پیدائش (2) ان کا جھولے میں کلام کرنا (3) انہیں جھولے میں نبوت ملنا (4) ان کا غیب دان ہونا (5) ان کا جسمانی اور حقیقی مردوں کو زندہ کرنا (6) ان کا آسمان پر اٹھایا جانا اور دو ہزار برس سے آسمان پر بلا خورد و نوش زندہ رہنا اور دوبارہ نازل ہو کر روئے زمین کے لوگوں کو مسلمان بنانا وغیرہ۔ ان عقائد نے اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے اور بدستور پہنچا رہے ہیں۔ برصغیر میں مسلمانوں کی اس فاش غلطی کو جناب سرسید احمد خان نے نہ صرف اجاگر کیا' بلکہ قرآن کریم کی آیات محکمات کے ساتھ ان عقائد باطلہ کی تردید فرمائی۔

مسئلہ نزول مسیحؑ اور مرزائیت

وہ عقائد جو اسلام میں غیر اسلامی مراکز سے داخل ہوئے ان میں مسئلہ نزول مسیح خاص الخاص اہمیت کا حامل ہے۔ جس نے مسلمانوں کو اس وقت لا انتہا نقصان پہنچایا جب ان کے ہاتھ سے برصغیر کی سلطنت نکل گئی اور سمندر پار سے آنے والے انگریز اپنے عیسائی مذہب کے ساتھ حکومت پر متمکن ہوگئے۔ انہیں ایک ایسے آدمی کی ضرورت تھی جو مسلمانوں میں سے الہامی طور پر جذبہ جہاد کو خارج کر دے۔ انگریز نے اس مقصد کیلئے مسلمانوں کے عقیدہ نزول مسیح کو خوب خوب استعمال کیا۔ چنانچہ مرزائیت کا پودا انگریزوں نے خود لگایا اور تحریک مرزائیت کی خود معاونت کی۔ چنانچہ مرزا صاحب نے انہیں نہ صرف حرمت جہاد بذریعہ الہام کا کام دیا' بلکہ انگریزی حکومت کی وفاداری کو بھی الہام ہی کے ذریعہ فرض قرار دے دیا۔

مرزا غلام احمد نے مسلمانوں کے نزول مسیح کے عقیدہ سے تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ فائدہ اٹھایا۔ اس کا کہنا یہ تھا کہ

(1) مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ مسیح نے دوبارہ دنیا میں آنا ہے۔ لیکن چونکہ وہ وفات پاچکے ہیں اس لئے ان کا آسمان پر زندہ ہونا اور واپس آنا غلط ہے۔ (2) لہٰذا آنے والا خود مسیح ابن مریمؑ نہیں بلکہ مثیل مسیح ہوگا۔ (3) وہ آنے والا نبی ہوگا مگر صاحب شریعت نہیں بلکہ شریعت محمدیہؐ کے تابع ہوگا۔ (4) وہ مثیل مسیح یا مسیح موعود (یعنی وہ مسیح جس کا احادیث میں وعدہ دیا گیا ہے) وہ میں ہوں۔ میرا دعویٰ یہ ہے کہ میں وہ مسیح موعود ہوں جس کے بارے میں اللہ کی تمام پاک کتابوں میں پیشگوئیاں موجود ہیں کہ وہ آخری زمانہ میں ہوگا۔ (تحفہ گولڑویہ ص 194 مطبوعہ دسمبر 1932ء)

خصوصی نوٹ : یاد رکھئے کہ اوپر دیئے گئے ضمنی نوٹ نمبر1 تا نمبر6 آگے آرہے ہیں۔ انہیں اپنے مقام پر بغور ملاحظہ فرمائیں۔

دیکھا آپ نے کہ : نزول مسیح کے غیر قرآنی عقیدہ پر مرزا صاحب کا صغریٰ کبریٰ کس طرح فٹ بیٹھتا ہے۔ مروجہ عقیدہ میں صرف اتنی تبدیلی کی گئی کہ مسیح آسمان پر زندہ موجود نہیں۔ وہ تو سب نبیوں کی طرح فوت ہوچکے ہیں۔ یہ تبدیلی قرآن کریم اور عالمی مشاہدات کے عین مطابق تھی۔ اس لئے جب اسے عقیدہ نزول مسیح کے ساتھ چسپاں کیا گیا تو اس کا فطری نتیجہ یہ نکلا کہ آنے والا آسمان سے نازل نہیں ہوگا۔ عام طریقے سے پیدا ہوگا اور عام عقیدہ کے مطابق

صاحب شریعت نبی نہیں بلکہ شریعت محمدیہؐ کے تابع ہوگا۔ چنانچہ جو لوگ عقیدہ نزول مسیحؑ کے قائل تھے مگر سرسید کے اثر سے حیات مسیحؑ کے قائل نہیں تھے' ان میں سے بعض کو مرزا صاحب کی معجون مرکب پسند آئی اور مرزائیت قبول کرلی۔ اس پر جب مولوی صاحبان نے بحثیں شروع کیں تو لوگوں نے دیکھا کہ ہر مناظرہ میں فضائی اثرات مرزا صاحب کے حق میں جاتے تھے۔ اس طرح کہ

(1) مولوی صاحبان خود مانتے تھے کہ مسیحؑ نے آنا ہے۔ لہٰذا اس ضمن میں وہ مرزا صاحب سے خود متفق تھے۔ (2) مولوی صاحبان مانتے تھے کہ مسیحؑ نبی تو ہونگے لیکن صاحب شریعت نہیں ہونگے بلکہ شریعت محمدیہؐ کے تابع ہونگے اور اس طرح ان کے آنے سے عقیدہ ختم نبوت پر کوئی زد نہیں پڑے گی۔ یہی دعویٰ مرزا صاحب کا تھا کہ میں نبی ہوں' لیکن شریعت نہیں رکھتا۔ شریعت محمدیہؐ کے تابع ہوں۔ (3) اب لے دے کر متنازعہ مسئلہ یہ رہ جاتا کہ مولوی صاحبان آنے والے کو اصلی مسیحؑ ابن مریمؑ بتاتے۔ مگر مرزا صاحب کہتے کہ وہ فوت ہوچکے ہیں۔ لہٰذا آنے والا مسیحؑ نہیں' بلکہ مثیل مسیحؑ ہوگا۔ بنابریں ساری بحث مسئلہ حیات و ممات مسیحؑ پر **مرتکز** ہوکر رہ جاتی اور چونکہ وفات مسیحؑ کا تصور قرآن کریم کے مطابق ہے۔ اس لئے بحث کا نتیجہ مرزا صاحب کے حق میں جاتا اور جو شخص وفات مسیحؑ کو مان لیتا' وہ مسیحؑ کی بجائے آمد مثیل مسیحؑ کا خود بخود قائل ہو جاتا۔ (4) مرزا صاحب آمد مسیحؑ کے عقیدہ کو احادیث سے ثابت کرتے اور وفات مسیحؑ قرآن سے۔ لیکن جب فریق مقابل حیات مسیحؑ کو حدیثوں سے ثابت کرنے لگتا آپ کہہ دیتے کہ جو چیز قرآن کریم سے ثابت ہو' اگر احادیث اس سے معارض ہوں تو انہیں یا تو غلط قرار دینا چاہیے یا ان کی قرآن کے مطابق تاویل کرنی چاہیے۔ اس پر مولوی صاحبان لاجواب ہوجاتے اور بہت سے لوگ مرزائیت کی گود میں چلے جاتے۔

تصریحات بالا کے مطابق غور فرمائیں کہ مرزائیت کا سارا مسئلہ نزول مسیحؑ کے غیر قرآنی مسئلہ کے گرد گھومتا ہے اور ساتھ ہی یہ سوچئے کہ جب تک نزول مسیحؑ کا غیر قرآنی عقیدہ موجود ہے۔ کیا اس وقت تک مرزائیت یا ایسی اور تحریکوں کا خاتمہ ہوسکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ مولوی صاحبان پون صدی سے ان بحثوں میں ابجھے رہے۔ تاآنکہ قومی اسمبلی نے اس مسئلہ کو پاکستان میں آئینی طور پر حل کر دیا۔

مرزائیت کی اساس قرآن اور روایات کی معجون مرکب پر قائم ہے۔ لیکن حقیقت کی رو سے دین کا انحصار فقط کتاب اللہ پر ہے۔ جو عقیدہ' جو نظریہ' جو روایت' جو حدیث اس کے مطابق ہو وہ صحیح ہے اور جو اس کے خلاف ہو وہ بلا تامل قول رسول نہیں۔ جب ہم عقیدہ نزول مسیحؑ کو قرآن پاک کی رو سے دیکھتے ہیں تو اس کے غیر قرآنی ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ قرآن کریم کی رو سے (1) عیسیٰؑ اپنی طبعی زندگی گزار کر اللہ کو پیارے ہوچکے ہیں۔ (2) جو وفات پا جائے وہ دوبارہ نہیں آتا اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں نزول مسیحؑ کا تصور تک موجود نہیں۔ (3) فلہذا ابن مریمؑ کے نزول یا کسی مثیل مسیحؑ کی آمد کا تصور ہی سرے سے غلط ہے۔ (4) بنابریں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ آنے والا مرزا غلام احمد قادیانی ہے یا کوئی اور (5) نیز جب دین کامل ہوچکا ہے۔ (5/4) اور اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب خود اللہ کی حفاظت میں ہے۔ (15/9) تو جب اللہ کی کتاب' نبوت محفوظ ہے' تو پھر کسی نبی کے آنے کا تصور ہی باطل ہے خواہ وہ مرزا قادیانی ہو یا بہاء اللہ ایرانی۔ (6) قرآن کریم کی رو سے نبیؑ اور رسولؑ ایک ہی شخصیت کے دو منصب ہیں۔ نبوت کا معنی ہے اللہ تعالیٰ سے وحی کا ملنا اور رسالت کا معنی ہے اسے لوگوں تک پہنچانا۔ نبوت (وحی کا ملنا) نبی اکرمؐ کی ذات اقدس پر ختم ہوچکا ہوا ہے۔ آپ کے بعد وحی کو نام کی تبدیلی کے ساتھ الہام کے نام

سے جاری رکھنا' نبی اکرمؐ خاتم النبین کے الٰہی حصار میں نقب لگاتا ہے۔

مرزا صاحب نے انگریزی سرکار کی خدمت میں لکھا۔ "صرف یہ التماس ہے کہ سرکار دولتمدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس سال کے متواتر تجربہ سے ایک وفادار اور ایمان نثار خاندان ثابت کرچکی ہے اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چھٹیات میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کے پکے خیر خواہ اور خدمت گزار ہیں۔ اس خود کاشتہ پودا کی نسبت نہایت حزم و احتیاط' تحقیق اور توجہ سے کام لے۔ (درخواست بحضور نواب لیفٹنٹ گورنر بہادر دام اقبالہ' منجانب خاکسار غلام احمد قادیانی۔ مورخہ 24 فروری 1894ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ہفتم۔ مولفہ میر قاسم علی قادیانی۔)

مرزا صاحب نے لکھا ہے۔ "جہاد یعنی دینی لڑائیوں کی شدت کو اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ کم کرتا گیا ہے۔ جناب موسیٰؑ کے وقت میں اس قدر شدت تھی کہ ایمان لانا بھی قتل سے نہیں بچا سکتا تھا اور شیر خوار بچے بھی قتل کئے جاتے تھے۔ پھر ہمارے نبی صلعم کے وقت میں بچوں' بوڑھوں اور عورتوں کا قتل حرام کیا گیا اور پھر بعض قوموں کیلئے بجائے ایمان کے صرف جزیہ دے کر مواخذہ سے نجات پانا قبول کیا گیا اور پھر مسیح موعود کے وقت قطعاً" جہاد کا حکم موقوف کر دیا گیا۔" (اربعین نمبر4 حاشیہ صفحہ 15 مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ "میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گزرا ہے اور میں نے ممانعت جہاد اور حکومت انگریزی کی اطاعت کے بارہ میں اس قدر کتابیں لکھی اور اشتہارات شائع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔" (تریاق القلوب صفحہ 15- از مرزا غلام احمد قادیانی) ------ نیز مرزا صاحب نے لکھا ہے۔ "اس نے اپنے قدیم وعدہ کے موافق جو مسیح موعود کے آنے کی نسبت تھا۔ آسمان سے مجھے بھیجا تاکہ میں اس مرد خدا کے رنگ میں ہوکر جو بیت اللحم میں پیدا ہوا اور ناصرہ میں پرورش پائی۔ حضور ملکہ معظمہ (وکٹوریہ) کے نیک اور بابرکت مقاصد کی اعانت میں مشغول رہوں۔" (ستارہ قیصرہ۔ صفحہ 10- از۔ مرزا غلام احمد قادیانی) ------ نیز مرزا صاحب نے سرکار انگریزی کی وفاداری کو جزو اسلام قرار دیتے ہوئے لکھا ہے۔ "میں سچ کہتا ہوں کہ محسن کی بدخواہی کرنا ایک حرامی اور بدکار آدمی کا کام ہے۔ سو میرا مذہب' جس کو میں بار بار ظاہر کرتا ہوں' یہی ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں۔ دوسرے اس سلطنت کی جس نے امن قائم کیا ہو' جس نے ظالموں کے ہاتھ سے ہمیں پناہ دی ہو۔ سو وہ سلطنت حکومت برطانیہ ہے ------ سو اگر ہم گورنمنٹ برطانیہ سے سرکشی کریں تو گویا اسلام اور خدا و رسولؐ سے سرکشی کرتے ہیں۔" (ارشاد مرزا غلام احمد قادیانی' مندرجہ رسالہ "گورنمنٹ کی توجہ کے لائق" صفحہ ج۔ د' شائع کردہ نظارت اصلاح و ارشاد ربوہ)

مثیل مسیح بلکہ عین مسیحؑ ہونے کے ضمن میں مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ اس نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے) براہین احمدیہ کے تیسرے حصے میں میرا نام مریمؑ رکھا۔ پھر جیسا کہ براہین احمدیہ سے ظاہر ہے دو برس تک صفت مریمؑ میں' میں نے پرورش پائی اور پردہ میں نشوونما پاتا رہا۔ پھر ------ مریمؑ کیطرح عیسیٰؑ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخر کئی مہینے کے بعد' جو دس مہینے سے زیادہ نہیں ------ مجھے مریمؑ سے عیسیٰؑ بنایا گیا۔ پس اس طور سے میں ابن مریمؑ ٹھہرا۔" (کشتی نوح مرزا غلام احمد قادیانی مطبوعہ نظارت اصلاح و ارشاد ربوہ)

مسیح موعود کا دعویٰ مرزا صاحب اس طرح کرتے ہیں۔ "اس بات کو توجہ کرکے سن لو کہ یہ اسی قسم کا تناقص ہے

کہ جیسے براہین احمدیہ میں' میں نے یہ لکھا تھا کہ مسیح ابن مریمؑ آسمان سے نازل ہوگا۔ مگر بعد میں یہ لکھا کہ آنے والا مسیح میں ہی ہوں۔ اس تناقض کا بھی یہی سبب تھا کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں میرا نام عیسیٰؑ رکھا اور یہ بھی فرمایا کہ تیرے آنے کی خبر خدا اور رسولؐ نے دی تھی۔ مگر چونکہ ایک گروہ مسلمانوں کا اس عقیدہ پر جما ہوا تھا اور میرا بھی یہی عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ آسمان سے نازل ہونگے۔ اس لئے میں نے خدا کی وحی ظاہر پر عمل کرنا نہ چاہا بلکہ اس وحی کی تاویل کی اور اپنا اعتقاد وہی رکھا جو عام مسلمانوں کا تھا اور اس کو براہین احمدیہ میں شائع کیا لیکن بعد میں' اس بارہ میں بارش کی طرح وحی الٰہی نازل ہوئی کہ وہ مسیح موعود جو آنے والا ہے تو ہی ہے۔" (حقیقۃ الوحی مرزا غلام احمد صفحہ 149)

مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ "یہ بھی یاد رہے کہ قرآن شریف میں' بلکہ تورات کے بعض صحیفوں میں بھی یہ خبر موجود ہے کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑے گی۔" تدبرا! (کشتی نوح صفحہ نمبر 9 مرزا غلام احمد۔ مطبوعہ نظارت اصلاح و ارشاد ربوہ) ...... نیز لکھتے ہیں۔ "چودھویں صدی کے سرے پر مسیح موعود کا آنا جس قدر حدیثوں سے' قرآن سے' اولیا کے مکاشفات سے بپایہ ثبوت پہنچتا ہے۔ حاجت بیان نہیں۔" (شہادت القرآن صفحہ 70۔ مرزا غلام احمد قادیانی مطبوعہ نظارت اصلاح و ارشاد ربوہ) دسمبر 1968ء

نزول مسیحؑ کی روایات ناقابل اعتبار ہیں: مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کے عجیب و غریب متناقص و متخالف اقوال پر تو ہم صرف تدبروا کہتے ہوئے اپنے اصل موضوع مسئلہ نزول مسیح کے ضمن میں اب اس سے متعلقہ روایات کی طرف آتے ہیں۔ اگر ہم یہ تسلیم کریں کہ نزول مسیح کی روایات قابل اعتماد ہیں تو پھر ان واقعات کا وقوع میں آنا لازم ٹھہرتا ہے جو ان میں مذکور ہیں۔ دیکھئے! ان میں کہا گیا ہے کہ حضرت مسیح آسمان سے نازل ہونگے۔ اپنے دوسرے قیام کی مدت پوری کرکے فوت ہوجائیں گے۔ مسلمان ان کا جنازہ پڑھیں گے اور دفن کردیں گے۔ ظاہر ہے کہ ان روایات کے مطابق مسیح کی وفات جو اس وقت ایک متنازعہ مسئلہ ہے۔ ایک مدت کے بعد جس کا کسی کو علم نہیں' حقیقت ثابتہ بن جائیگی۔ یعنی روایتی مفروضہ کے مطابق جب مسلمان حضرت مسیح کا جنازہ پڑھ چکیں گے تو پھر کوئی شخص ان کی وفات کا انکار نہیں کرسکے گا۔ لیکن اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی وہ آیتیں جن کا معنی علماء کرام یہ لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا ہوا ہے۔ **بل رفعه الله اليه** (4/158) وغیرہ۔ وہ آیتیں اس وقت بھی کہ جب مسیح فوت ہوچکے ہونگے۔ انہی الفاظ کے ساتھ موجود ہونگی اور اس وقت بھی علماء کرام کے مروجہ ترجمہ و تشریح کے مطابق ان آیات کا یہی معنی لیا جارہا ہوگا کہ مسیح کو اللہ تعالیٰ نے اٹھا لیا اور وہ آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ بالفاظ دیگر علماء کرام کے مفروضے کے مطابق' جب مسیح نزول کے بعد فوت ہوچکے ہونگے تو اسوقت بھی قرآن کریم روئے زمین کے لوگوں کو یہی بتا رہا ہوگا۔ اللہ نے مسیح کو اوپر اٹھا لیا ہوا ہے اور وہ آسمان پر زندہ ہیں۔

اب غور طلب یہ امر ہے کہ اس وقت مسیح تو علماء کے مفروضے کے مطابق یقیناً" فوت ہوچکے ہونگے۔ مگر قرآن مجید میں ایک طرف یہ لکھا ہوگا کہ اس کتاب میں کوئی ریب نہیں یعنی کوئی غلط بات درج نہیں اور دوسری طرف مسلمان تو مسیح کو دفن کرچکے ہونگے مگر علماء کی **بل رفعه الله اليه** کی تاویل' انہیں آسمان پر زندہ بتا رہی ہوگی ...... حالانکہ **رفعه الله اليه** کا مفہوم اس وقت صحیح ہوسکتا ہے جب اللہ تعالیٰ کو جو ہر جگہ حاضر و موجود ہے' صرف آسمان پر بٹھا دیا جائے۔ واضح رہے کہ **رفعه الله عليه** کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ہجرت کروا کر اپنے ہاں ان کا

درجہ بلند کیا نہ کہ انہیں آسمان پر اٹھا لیا۔

اگر بالفرض قرآن مجید میں یہ لکھا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے' زمین پر نہیں۔ مسیح آسمان پر زندہ ہیں' نازل ہونگے اور نزول کے بعد فوت ہوکر **کل نفس ذائقة الموت** کے زمرہ میں شامل ہوجائیں گے۔ تو پھر نزول مسیح والی روایات قابل اعتماد ہوسکتی تھیں اور یہ قرآن کریم کی ایک پیشگوئی ہوتی' جو اپنے وقت پر پوری ہو جاتی اور قرآن کریم کی صداقت کا ثبوت بنتی۔ لیکن جب قرآن کریم میں بائے بسم اللہ سے سین والناس تک ایسا کہیں درج نہیں تو ثابت ہوا کہ نزول مسیح سے متعلقہ روایات وضعی ہیں۔ اگر ہم ان کی صحت پر اصرار کریں تو نزول مسیح سے متعلقہ روایتوں کے فرضی نزول اور وفات کے بعد قرآن کریم میں علماء کے مروجہ ترجمہ اور تشریح کے مطابق خلاف واقعہ درج ہوگا کہ مسیح آسمان پر زندہ ہیں اور نقل کفر' کفر نباشد' اس وقت قرآن کریم لاریب نہیں رہے گا۔

ہمارا حسن ظن ہے کہ محدثین کرام ان موضوع اور خلاف قرآن و مشاہدہ روایات کے ذمہ دار نہیں۔ یہ روایتیں ان کی کتابوں میں درج کر دی گئی ہیں۔ علامہ تمنا عمادی (جنہیں رجال کی تنقید میں وقت نظر اور وسعت نگاہ عطا ہوئی تھی۔) تحریر فرماتے ہیں۔ "متقدمین کی کتابوں میں ان اوضاع و کذاب ----- یا نقل کرنے والے کاتبوں کو جہاں موقع مل جاتا تھا' وہاں کچھ وضعی حدیثیں داخل کر دیتے تھے۔" (بحوالہ ماہنامہ طلوع اسلام کراچی صفحہ 60- ستمبر 1953ء) ----- حسن ظن بہرصورت سوء ظن سے بہتر ہے۔ ارشاد باری ہے۔ **یایها الذین امنوا اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم۔** (49/12) ایمان والو! بدگمانی سے بہت زیادہ بچو۔ کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہے۔

اب پھر آیئے اپنے مضمون کی طرف! یہاں غور طلب یہ امر ہے کہ اگر بفرض محال قرآن کریم میں لکھا ہو کہ مسیح آسمان پر زندہ ہیں (جو علماء روایات کا عقیدہ ہے) تو پھر اس صورت میں حیات مسیح قرآن کریم کی رو سے ایک حقیقت ثابتہ (Absolute Truth) ہوگی اور کبھی بھی قرآن سے وفات مسیح کا ثبوت نہیں مل سکے گا۔ کیونکہ قرآن مجید کے متن (Text) میں حک و اضافہ ممکن نہیں اور ہر دور میں (قیامت تک) کے مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ وہ ہر لحہ' ہر ساعت حیات مسیح پر ایمان رکھیں اور اسی عقیدہ کی تبلیغ کریں۔ کسی بھی وقت حیات مسیح کا انکار کفر ہوگا۔ (کیونکہ نسخ العقائد نہیں ہوا کرتا۔ اس سے کفر لازم آتا ہے) یا یوں کہہ لیں کہ ایسا کرنا' قرآن کریم کے دعویٰ **لاریب فیه** کو رد کرنے کے مترادف ہے۔ معاذ اللہ! استغفر اللہ!

اگر بفرض محال نزول مسیح کی روایات کو قابل اعتماد قرار دیا جائے تو اس صورت میں کہ قرآن کریم میں نزول مسیح کا کوئی ذکر نہیں تو پھر مومنین کو جب بھی نزول مسیح کی خبر دی جائے گی تو وہ اس پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ ان کے نزدیک نزول مسیح کی خبر صد فیصد جعلی اور فرضی ہوگی۔ وہ کیوں؟ اس لئے کہ جب تک قرآن کریم میں نزول کی خبر درج نہ ہو۔ اس وقت تک مومنوں پر لازم نہیں آتا کہ نزول پر ایمان لائیں ----- اور اگر بفرض محال نزول کے بعد مسیح کی وفات بھی وقوع میں آجائے (جیسا کہ روایات میں بتایا گیا ہے) تو پھر اس صورت میں وفات مسیح بھی ایک حقیقت ثابتہ ہوجائے گی۔ لیکن وفات کے بعد علماء کے مفروضہ کے مطابق قرآن مجید میں حیات مسیح کا ذکر موجود ہوگا۔ (جیسا کہ ان کے نزدیک قرآن سے حیات مسیح ثابت ہے) تو اس وقت حیات مسیح اور وفات مسیح (دونوں) بیک وقت حقیقت ثابتہ نہیں ہوسکیں گے۔ اس لئے واضح ہوا کہ نزول مسیح والی روایات اسی صورت میں قابل اعتماد ہوسکتی ہیں کہ جب قرآن کریم اور صرف قرآن کریم میں۔

(1) حیات مسیح (2) نزول مسیح اور نزول کے بعد وفات کی خبر موجود ہو۔
علماء روایات کا کہنا ہے کہ "آنے والے کی آمد کا عقیدہ صرف احادیث پر مبنی ہے۔" اس لئے جب حقیقت یہ ہے تو نزول مسیح کی روایات کی صحت پر اصرار کرنا صد فیصد ذہول پر مبنی ہے۔ جبکہ اس طرح غیر شعوری طور پر قرآن کریم کے دعاوی **لاریب فیه** (2/2) اور **لا یاتیه الباطل من بین یدیه و لا من خلفه۔** (41/43) (باطل نہ اس میں آگے سے آسکتا ہے نہ اس کے پیچھے سے) کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ مسیح علیہ السلام کو جو اپنی طبعی زندگی گزار کر فوت ہوچکے ہوئے ہیں۔ دنیا میں ہرگز نہیں بھیجے گا تاکہ قرآن کریم کا متن (Text) قیامت تک قابل اعتماد رہے اور ایک لحہ یا ایک ساعت کیلئے بھی اس کا متن ناقابل اعتماد نہ ہوسکے۔ اس لئے حیات مسیح کے عقیدے کو قرآن کریم سے اخذ کرنا بھی اور پھر نزول مسیح کے عقیدے کی بنیاد روایات پر رکھنا بھی صد فیصد غلط ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم سے ان تینوں شقوں (حیات، نزول اور نزول کے بعد وفات) میں سے کسی ایک کا بھی ثبوت ہرگز ہرگز نہیں ملتا۔ قرآن کی رو سے عیسیٰ علیہ السلام بھی دیگر انبیاء کی طرح وفات پاچکے ہیں اور جو وفات پاجائیں وہ اس دنیا میں واپس نہیں آیا کرتے۔ اس لئے نزول مسیح کا عقیدہ ازروئے قرآن، مشاہدہ اور غیر متبدل سنت جاریہ کی رو سے صد فیصد باطل اور مطلقاً" بے بنیاد ہے۔

مسئلہ حیات و وفات مسیحؑ

نزول مسیح کے مسئلہ کے صد فیصد بطلان کے بعد حیات و وفات مسیح کا مسئلہ از خود حل ہو جاتا ہے۔ علماء کرام کے نزدیک بھی مسیح قرآن کریم کے غیر متبدل قانون **کل نفس ذ ائقة الموت** سے ہرگز مستثنیٰ نہیں۔ مگر ان کا عقیدہ یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام دنیا میں واپس تشریف لائیں گے اور اپنے دوسرے قیام کی مدت پوری کرکے فوت ہوجائیں گے۔ لیکن اب جبکہ واضح ہوچکا کہ وہ روایات جنہیں ان کے واپس آنے کی خبر دی گئی ہے۔ وضعی ہیں تو بدرجہ اولیٰ ثابت ہوا کہ مسیح **کل نفس ذ ائقة الموت** کے زمرہ میں شامل ہوچکے ہوئے ہیں۔ جس پر انبیاء سے متعلقہ خبر ذیل بھی شاہد ہے۔
و ما جعلنهم جسداً لا یاکلون الطعام و ما کانوا خلدین۔ (21/8) اور ہم نے نبیوںؑ کو ایسے جسد نہیں بنایا تھا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے ----- چونکہ مسیح کا بلا خورد و نوش آسمان پر زندہ رہنے کا تصور خلاف قرآن ہے۔ اس لئے آپ فوت ہوچکے ہیں، زندہ نہیں۔
لیکن اگر ہم مذکورہ بالا اصول سے ماوریٰ ہوکر بھی قرآن کریم کی طرف رجوع کریں تو پھر بھی اس مسئلہ کے ضمن میں کوئی ابہام و التباس موجود نہیں۔ بشرطیکہ ہم قرآن فہمی کے دو قرآنی اصولوں کو جو خود اللہ تعالیٰ نے پیش کئے ہیں، مدنظر رکھیں۔

اول : یہ کہ قرآن کریم میں دو قسم کی آیتیں ہیں، محکمات و متشابہات، محکمات ام الکتب ہیں۔ (3/7) یعنی وہ کتاب کی اصل اور جڑ ہیں۔ اس لئے متشابہات سے ان کے خلاف استدلال صد فیصد باطل ہے۔

دوم : یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی وضاحت تصریف آیات کے ذریعہ خود قرآن کریم میں کر دی ہے۔ **انظر کیف**

نصرف الایت لعلھم یفقھون۔ (6/65) اے مخاطب غور کر کہ ہم اپنی آیتوں کو کس طرح پھیر پھیر کر لاتے ہیں تاکہ لوگ (تصریف آیات کے ذریعہ) قرآن کریم میں تفقہ کیا کریں ----- اب ہم ان دو بنیادی اصولوں کی روشنی میں قرآنی آیات پر غور کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

و ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم۔ (3/144) اور نہیں ہیں محمدؐ مگر ایک رسولؐ ہیں۔ ان سے پہلے بھی رسولؑ گزر چکے ہیں۔ پھر کیا اگر وہ بھی فوت یا قتل ہو جائیں تو تم دین سے الٹے پاؤں پھر جاؤ گے ----- اس آیت سے واضح ہے کہ مسیح علیہ السلام (جو رسول اکرمؐ سے عین پہلے ہیں) کا خلا ہو چکا ہے۔ وہ اپنی جگہ خالی کر چکے ہیں' فوت ہو چکے ہیں۔ اس کائنات میں کہیں بھی موجود نہیں۔ اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسیحؑ کا خلا کس طریقے سے ہوا؟ دو قرینوں کا ذکر تو اسی آیت (3/144) میں موجود ہے۔ طبعی موت یا قتل۔ مگر علماء کرام کا ارشاد ہے کہ خلا میں تیسرا قرینہ زندہ آسمان پر جانا بھی شامل ہے لیکن اسے متعین کرنے کیلئے ہم قرآن فہمی کے قرآنی اصول تصریف آیات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ارشاد باری ہے۔

ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبله الرسل و امه صدیقة کانا یا فلن الطعام انظر کیف نبین لھم الایت ثم انظر انی یو فکون۔ (5/75) اور نہیں ہیں مسیحؑ مگر اللہ کے رسول ہیں۔ اس سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔ ان کی ماں صدیقہ تھیں۔ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ (اب نہیں کھاتے کیونکہ وہ دونوں وفات پا چکے ہیں۔ جو کھانا کھائے اس میں بول و براز کے تقاضے بھی موجود ہوتے ہیں' اس میں ماورائی بشریت کوئی بات نہیں ہوتی۔) دیکھ! کہ ہم کس طرح ان لوگوں کیلئے واضح دلیلیں بیان کرتے ہیں۔ پھر دیکھ کہ یہ لوگ کس طرف کو پھرے جا رہے ہیں۔)

اب غور فرمائیں کہ اگر خلا میں تیسرا قرینہ یعنی زندہ آسمان پر اٹھایا جانا بھی شامل ہے۔ (جیسے کہ علماء کا کہنا ہے) تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ مسیحؑ سے پہلے بھی کچھ رسول آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ مگر علماء کرام کے نزدیک مسیح علیہ السلام سے پہلے کا کوئی رسول زندہ آسمان پر موجود نہیں وہ سب کے سب بلا استثنیٰ (Without Any Exeption) وفات پا چکے ہیں۔ اس لئے تصریف آیات کے تحت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آیات مجیدہ (5/75 + 3/144) میں مذکور خلا میں زندہ آسمان پر جانے کا قرینہ ہرگز موجود نہیں۔ صرف دو ہی قرینے ہیں طبعی موت یا قتل جن کا ذکر (3/144) میں ذات باری نے خود کر دیا ہے۔ اب مسیح علیہ السلام پر قتل کا قرینہ تو صادق نہیں آسکتا' کیونکہ 4/157 میں **ما قتلوہ یقینا** موجود ہے کہ اسے انہوں نے یقیناً" قتل نہیں کیا تھا۔ پس ثابت ہوا کہ **قد خلت من قبله الرسل۔** (3/144) کی قرآنی خبر کے مطابق آپکا خلا بذریعہ طبعی موت واقع ہوا تھا۔

سورہ بقرہ کی آیت نمبر (2/137 اور 2/141) میں حضرت ابراہیمؑ' اسماعیلؑ' اسحاقؑ اور یعقوبؑ کے متعلق دو مرتبہ کے تکرار کے ساتھ اعلان کیا گیا ہے۔ **تلک امة قد خلت۔** وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی ہے۔ دیکھئے! ان چاروں کے خلا میں کسی کا خلا بھی زندہ آسمان پر اٹھا کر نہیں کیا گیا تھا بلکہ سب کا خلا طبعی موت کے ذریعہ ہوا تھا۔ المختصر! مسیحؑ کی وفات قرآن کریم کی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے' جن کا انکار ممکن نہیں۔ **فاعتبروا یا ولی الابصار۔**